اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

الفضل

قادیان

ایڈیٹر: غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.

تار کا پتہ: الفضل قادیان

رجسٹرڈ ایل ۳۵

قیمت سالانہ پیشگی اندرون ہند عـــہ ۱۰

قیمت سالانہ پیشگی بیرون ہند عـــہ ۱۳

نمبر ۹۸	۳۰ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ	یوم پنجشنبہ	مطابق ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء	جلد ۲۱

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فہرست مضامین

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ابھی تک مالیر کوٹلہ سے واپس تشریف نہیں لائے۔

نصرت گرلز ہائی سکول قادیان کے متعلق مقررہ کمیشن نے اپنی کارروائی ختم کر لی ہے۔ رپورٹ امروز فردا میں مکمل ہو کر نظارت تعلیم و تربیت میں پہنچ جائے گی۔

جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو اگرچہ اب بیماری سے افاقہ ہے۔ تاہم وہ احباب سے کامل صحت کے لئے درخواست دعا کرتے ہیں۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

صادق کے مقابلہ میں کاذب مدعیوں کا انجام

(فرمودہ ۱۵۔ فروری ۱۹۰۳ء)

"میں اگر صادق نہیں ہوں۔ تو دوسرے مدعی کا نشان بتاؤ؟ اور اس کا ثبوت دے دیجیو۔ بات یہ ہے۔ کہ افتراء اور کذب کی عمر نہیں ہوا کرتی۔ یہ جلد فنا ہو جاتے ہیں۔ مفتری کے ہلاک کرنے کیلئے خارجی قوت اور زور کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ خود ان کا افتراء ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور مفتری کے مقابل میں کبھی جوش نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل جس قدر جوش ہوا۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے مقابل بھی ہوا تھا۔ صادق کے مقابل اس کیلئے جوش ہوتا ہے۔ کہ شیطان سمجھتا ہے۔ کہ اب مجھے ہلاک کیا جائیگا۔ اور وہ اس سے نار اض ہوتا ہے۔ اسلئے جہانتک ممکن ہو۔ وہ ان کی مخالفت میں زور لگاتا ہے۔ اور یہ جوش پھیل جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی بہت آدمیوں نے دعوے کئے تھے۔ مگر اب ان کا کوئی نام بھی نہیں لے سکتا۔ اسی طرح ہوتا رہا ہے۔ کہ صادق کے مقابل میں بعض کاذب مدعی بھی ہوتے رہے ہیں۔ مگر کسی مقابلہ کے لئے اس قدر جوش نہیں دکھایا گیا۔ جو صادق کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مفتری تو شیطان کے منشا کے موافق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس کے خلاف جنگ کرنی نہیں چاہتا۔ اور صادق اس کے سینہ پر پتھر ہوتا ہے۔ اس کو تباہ کرنے کے لئے زور لگاتا ہے۔ مگر آخر خود ہی شیطان اس جنگ میں ہلاک کیا جاتا ہے۔"

(الحکم ۲۸۔ فروری ۱۹۰۳ء)

تبلیغی رپورٹیں

مختلف مقامات پر تبلیغ احمدیت

کامیاب مناظرہ

چودھری فتح محمد خاں صاحب نمبردار وسفید پوش ماڑی بوچیاں ضلع گورداسپور سے لکھتے ہیں۔ کہ ۲۷۔ جنوری کو تین آدمی یہاں آئے اور اپنے آپ کو قادیان کے علماء ظاہر کیا۔ ان کی تقریروں کا انتظام کیا گیا۔ لیکن ان میں سے ایک نے جس کا نام محمد عالم تھا۔ اپنی تقریر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات پر نہایت کمینہ اور گندے حملے شروع کر دیئے۔ دُوسرے دن پھر اس نے تقریر کی۔ جس میں کہا۔ احمدی ہمارے ساتھ مباہلہ۔ مناظرہ۔ مباحثہ اور لڑائی جو چاہیں۔ کرلیں۔ ہم نے کہلا بھیجا۔ کہ ہم سوائے لڑائی کے ہر بات کے لئے تیار ہیں۔ اور لڑائی کے لئے کسی قسم کے خوف یا ڈر کی وجہ سے تیار نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پُرامن رہنے کی تعلیم دی ہے۔ جب ہماری طرف سے آمادگی ظاہر کی گئی۔ تو مناظرہ سے بھی بھاگنے لگے۔ اور کہدیا۔ کہ کوئی مولوی فاضل لاؤ۔ اور کسی عیسائی یا آریہ کو منصف مقرر کرو۔ آخر گفتگو کے دَوران میں ہی وفات مسیح علیہ السلام پر مباحثہ شروع ہوگیا۔ ہماری طرف سے میاں اللہ رکھا صاحب سکرٹری تبلیغ۔ اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد عالم تھا جو کہتا تھا کہ مولوی فاضل ہوں۔ چھ تقریریں ہوئیں۔ مگر مخالف مولوی کی وُہ گت بنی۔ کہ خود غیر احمدیوں نے اقرار کیا۔ کہ ان کو سخت شکست ہوئی ہے اور یہ کوئی عالم نہیں تھا۔ بلکہ جھوٹ بولتا تھا۔

شیعوں کے متعلق تقریر

خیر دین صاحب سکرٹری پارووال لکھتے ہیں۔ کہ ۳۔ فروری کو مولوی جلال الدین صاحب شمس یہاں آئے۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے موضوع پر زبردست تقریر کی۔ دوسرے روز بھی تین گھنٹہ تک اس موضوع پر آپ نے تقریر کی۔ اور شیعہ صاحبان کے اعتراضات کے بھی آپ نے مدلل جواب دیئے۔ مسلمانوں پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔

حج پر جانے والے اصحاب

خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی نائب ناظر بیت المال اور جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ۱۷۔ فروری بغرض حج بیت اللہ قادیان سے روانہ ہوکر ۲۴۔ فروری کو کراچی سے جہاز پر سوار ہونگے۔ اگر کوئی اور احمدی دوست بھی حج پر جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ تو وُہ ۲۴۔ فروری تک کراچی میں معرفت انجمن احمدیہ ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ تاکہ سفر میں اکٹھے رہنے میں سہولت ہو۔ اگر اس تاریخ کے بعد کوئی احمدی حج پر جائیں تو وُہ جدہ میں سیٹھ محمد سعید یوسف صاحب ابن ابوبکر یوسف صاحب جدہ کے مکان پر پہونچکر ضروری معلومات حاصل کر سکینگے

یوم التبلیغ کا بہترین تحفہ

۴۔ مارچ سنہ ۱۹۳۴ء کو ہندو دوستوں کو تحفہ دینے کے لئے اُردو ریویو آف ریلیجنز کی ڈبل اشاعت میں ایک نہایت اہم اور مبسوط مضمون آخری زمانے کے اوتار کی نسبت مفصل و مدلل شائع ہوگا۔ جس میں ہندو کتب کے رُو سے آنے والے کا وقت اور اس کے نشانات وغیرہ بتائے گئے ہیں۔ اور تمام مشہور اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے۔ اور ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ وُہ کرشن اوتار حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یہ مضمون ہندو کتب کے ایک ریسرچ سکالر نے لکھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ نہایت جامع ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب یہ تحفہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں منگوا کر تقسیم کریں گے۔ ایک روپیہ کی تین کاپیاں رعایتی قیمت ہے۔

ملنے کا پتہ مہتمم طبع واشاعت۔ قادیان۔

تحصیل بٹالہ کے غربی علاقہ کا تبلیغی سکرٹری

مستری عبدالعزیز صاحب کو تحصیل بٹالہ کے علاقہ غربی کی جماعتوں نے اپنا تبلیغی سکرٹری منتخب کیا ہے۔ ان کا یہ انتخاب منظور ہے۔ مندرجہ ذیل جماعتیں ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ ہردوروال۔ چک سکندر۔ رمداس۔ گھونہ والہ۔ قادیاں راجپوتاں۔ مرزاجان۔ سروالی۔ خان پور سرداراں۔ تیجہ کلاں۔ لودی ننگل۔ بدووال۔ تلونڈی راماں۔ شکار۔ اٹھوال۔ دھرم کوٹ۔ کھوکھر۔ علی وال جٹاں۔ ننگروال۔ سارچور۔ پارووال۔ دھرم کوٹ بگہ۔ قلعہ لال سنگھ خان فتح۔ گلاں والی۔ ڈیرہ بابا نانک

ناظر دعوت وتبلیغ۔ قادیان۔

ضروری اعلان

زلزلہ کے متعلق حضرت میرزا بشیر احمد صاحب نے مضمون ختم فرمالیا ہے۔ اور پریس میں چھپنے کے لئے دے دیا گیا ہے۔ جس قدر تعداد میں جماعتیں منگوانا چاہیں بہت جلد اطلاع دیں۔ تاکہ اس کے مطابق چھپوایا جائے۔ اس کی قیمت دُو روپیے چار آنے سینکڑہ ہے۔ ناظر دعوۃ وتبلیغ۔

تحریک قرضہ کے متعلق ضروری اعلان

تحریک قرضہ کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا تھا۔ کہ سال رواں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت تشخیص چندہ اور وصولی کے متعلق جو انتظام کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ نیا نیا ہونے کی وجہ سے ابھی وُہ مکمل نہیں۔ اور اس کی تکمیل کے لئے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ پھر بھی گزشتہ مالی سال کی نسبت سال حال کی آمد میں نمایاں زیادتی ہے۔ اس انتظام کو مکمل بنانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے نظارت بیت المال کے اعلےٰ عملہ میں اضافہ فرمادیا ہے۔ تاکہ وُہ وصولی چندہ کی پوُرے طور پر نگرانی کرے۔ اور آمد کے ذرائع سوچے۔ پس اس انتظام کے ماتحت خدا تعالےٰ کے فضل سے امید ہے۔ کہ آمدنی میں کافی اضافہ ہو جائے گا۔ اور قرض کی رقم کا ادا ہونا کچھ بھی مشکل نہ ہوگا اب اس بارے میں اعداد وشمار پیش کر کے بتایا جاتا ہے۔ کہ سوائے اکتوبر ونومبر کے ہر ماہ میں گزشتہ سال کی نسبت کافی اضافہ ہوا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہے:۔

	سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء		سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء
مئی	۸۳۰۶	۱۵۶۱۴	ستمبر	۱۱۷۰۸	۱۶۵۹۴
جون	۱۰۷ ۵	۲۱۸۴۰	اکتوبر	۲۱۹۷۴	۲۰۴۷۲
جولائی	۱۵۳۸۲	۲۰۵۹۱	نومبر	۲۲۴۹۷	۱۸۶۹۸
اگست	۱۳۴۹۳	۱۷۴۵۱	دسمبر	۲۵۷۱۲	۲۸۶۴۴
میزان	۴۷۸۸۶	۷۵۴۹۶	میزان	۸۱۸۹۱	۸۴۴۰۸
میزان کل سنہ ۱۹۳۲ء	۱۲۹۷۷۷		میزان کل سنہ ۱۹۳۳ء	۱۵۹۹۰۴	

وُصولی کے انتظام کے زیادہ مکمل ہونے کی وجہ سے آئندہ سال اور بھی کافی اضافہ کی امید کی جاسکتی ہے۔ پس احباب کو ساٹھ ہزار قرض کی تحریک میں جلد سے جلد شریک ہونا چاہیئے اور اطمینان رکھنا چاہیئے۔ کہ مقررہ میعاد کے اندر اندر ان کی رقوم انہیں واپس مل جائیں گی۔

ایک غلط خبر کی تردید

بھارت انشورنس کمپنی لمیٹڈ لاہور کے اسسٹنٹ جنرل منیجر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ۱۴۔ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء کے "الفضل" میں ان کی کمپنی کے متعلق جو خبر شائع ہوئی ہے۔ کہ حکومت نے اسے خلاف قانون قرار دے دیا ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ ہمیں افسوس ہے۔ کہ لاہور کے بعض اخبارات میں یہ غلط خبر شائع ہونے پر "الفضل" میں لکھی گئی۔ اب اس کی تردید کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

نمبر ۹۸ | قادیان دارالامان مورخہ ۳۰ شوال سنہ ۱۹۳۴ء | جلد ۲۱

گاندھی جی کے اچھوت اُدّھار کی غرض

ہندوؤں کو مضبوط بنانا۔ اور مسلمانوں کو کمزور کرنا

اچھوت ادّھار کا کام اختیار کرنے کی وجہ

گاندھی جی کو جب سیاسی ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کی ہستی کو مٹانے حتیٰ کہ اسے بے اثر بنانے میں بھی سخت ناکامی ہوئی۔ اور سوائے معدودے چند مسلمانوں کے کسی کے دل میں ان کی کوئی وقعت باقی نہ رہی۔ یہاں تک کہ جنہیں وہ اپنا داہنا بازو سمجھتے تھے۔ وہ بھی ان کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد ان سے بیزار ہو گئے۔ تو گاندھی جی نے سیاسی نقاب اتار کر کھلم کھلا ہندو قوم کو ترقی دینے اور ہندو دھرم کی اشاعت کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور اس طرح اچھوت اقوام کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ حالانکہ اچھوت اقوام کے ساتھ صدیوں سے ہندو جو انسانیت کش سلوک کرتے چلے آ رہے ہیں۔ نہ صرف اس نے اس قسم کی کوشش کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔ بلکہ ہندو دھرم کی مذہبی کتب میں بھی اچھوتوں کے متعلق ایسے احکام موجود ہیں۔ کہ کوئی راسخ الاعتقاد ہندو ان کو نظر انداز کر کے اچھوتوں کو انسانیت کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ مگر گاندھی جی نے اس بات کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہاں ہندو دھرم کے مخلص پیروؤں میں غم و غصہ کے جذبات پیدا کر دیئے۔ اور انہیں ہندو دھرم کی تباہی کے متعلق سخت خدشات میں مبتلا کر کے ایک مستقل خانہ جنگی۔ اور باہمی جھگڑوں میں مبتلا کر دیا۔ وہاں مسلمانوں پر بھی واضح کر دیا۔ کہ سیاسی فوقیت کے حصول کے لئے اپنے دھرم کو قربان کر دینے والے ہندوؤں میں کئی کروڑ اچھوتوں کا اضافہ کر کے گاندھی جی ہندوستان میں ہندوؤں کی ایسی طاقت و جمعیت پیدا کر دینا چاہتے ہیں۔ جو مسلمانوں کو بآسانی کچل سکے۔ اور ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دے۔

اچھوتوں کے لئے روپیہ جمع کرنا

اس غرض کے لئے انہوں نے اچھوت ادّھار یعنی اچھوتوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کے کام کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا۔ اور چونکہ اچھوت اس وقت ہندوؤں کی مہربانی سے سب سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ ان کی غربت اور تنگ دستی ہے۔ اس لئے گاندھی جی نے مختلف علاقوں میں دورہ کر کے روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ اس کے ذریعہ وہ اچھوتوں کو اپنی طرف مائل کر کے انہیں ہندوؤں کی بھینٹ چڑھا سکیں۔

گاندھی جی کے اعلانات

چونکہ اس غرض کے لئے ہندوؤں سے وہ اس وقت تک روپیہ حاصل نہ کر سکتے تھے جب تک انہیں یہ نہ بتاتے۔ کہ جو کام انہوں نے شروع کیا ہے۔ وہ ہندو دھرم کی حفاظت اور ترقی کے لئے اور ہندوؤں کو طاقتور اور مضبوط بنانے کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اس لئے اس بارے میں بارہا انہیں اپنے دلی خیالات اور اندرونی خواہشات کو ظاہر کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر انہوں نے کہا:-

"اچھوت پن کو جڑ سے اکھاڑ دینا میری زندگی کا مقصد ہے۔ میرا ہری جن ادّھار کا کام خالص مذہبی کام ہے۔" (ملاپ ۱۶ - دسمبر ۱۹۳۳ء)

گویا انہوں نے اچھوتوں کے متعلق جو کوشش شروع کر رکھی ہے۔ اس کی غرض ہندو دھرم کی حفاظت و اشاعت ہے۔

ایک اور موقعہ پر انہوں نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ کہ:-

"اگر اچھوت پن کا خاتمہ نہ کیا گیا۔ تو یقیناً ہندو دھرم اس سنسار سے نشٹ (معدوم) ہو جائے گا۔" (ملاپ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۳ء)

حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہندو دھرم اگر اپنی روایات اور عقائد کو اس وقت تک قائم رکھ سکا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ گاندھی جی ایسے کسی انسان کو ان میں دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ہندو دھرم کا دشمن قرار دے کر علیٰحدہ کر دیا گیا۔ مگر اب گاندھی جی ہندوؤں کو یہ بتا رہے ہیں۔ کہ جب تک وہ اچھوتوں کے متعلق اپنے سابقہ طریق عمل اور اپنی مذہبی کتب کے احکام کو ترک نہ کر دیں گے۔ اس وقت تک ہندو دھرم قائم نہیں رہ سکیگا۔ مطلب یہ کہ گاندھی جی اس ہندو دھرم کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جسے وہ خود ترتیب دے رہے ہیں۔ بہرحال وہ ہندوؤں کو ہندو دھرم کے نشٹ ہونے کا خطرہ بتا کر ہزارہا روپیہ جمع کر رہے۔ اور اس سے اچھوتوں کو پھنسانے کے لئے جال بُن رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک جلسہ عام میں کہا:-

"اچھوت پن ہندو ازم پر سب سے بڑا دھبہ ہے۔ اگر اچھوت پن زندہ رہا۔ تو ہندو ازم مر جائے گا۔" (ملاپ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء)

آریہ گاندھی جی کی حمایت میں

ایک طرف تو گاندھی جی کے یہ اعلانات ہیں۔ اور دوسری طرف ان کی تشریحات کرنے میں آریہ اخبارات نہایت سرگرمی سے کام لے رہے ہیں۔ اور یہ بات ہندوؤں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ کسی کو گاندھی جی کے خلاف قطعاً آواز اٹھانی نہیں چاہئے۔ کیونکہ ان کی غرض ہندو دھرم کو زندہ کرنا۔ اور ہندو قوم کو ترقی دینا ہے۔ چنانچہ "ملاپ" (۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء) نے لکھا:-

"مسٹر اچاریہ نے سناتنیوں سے یہ اپیل کیا ہے۔ کہ وہ مہاتما گاندھی کا بائیکاٹ کریں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ مسٹر اچاریہ کی یہ اپیل ٹھکرا دی جائے گی۔ اور بجائے مہاتما گاندھی کے مسٹر اچاریہ کا بائیکاٹ شروع ہو جائے گا۔ مہاتما گاندھی تو اس وقت ہندو جاتی کو پنر جیونت (دوبارہ زندہ) کرنے کے لئے بڑا بھاری یگیہ کر رہے ہیں۔ مسٹر اچاریہ اور ان کے ہم خیال راکھش بن کر اس میں دگھن ڈالیں گے تو وشوامتر کو شری رام اور لکشمن کہیں سے لانے پڑیں گے۔ ہندو جاتی کی کتنی بدقسمتی ہے۔ کہ عین اس موقعہ پر جب اس کے بننے کا موقعہ آتا ہے۔ ہندو ہی اس موقعہ کو کھو دیتے ہیں۔ مہاتما گاندھی جیسی ہستی بار بار نہیں آتی۔ یہ پربھو کرپا ہی ہے۔ کہ مہاتما جی کو یہ پریرنا ہوئی ہے۔ کہ وہ ہندو جاتی کے اس کلنک کو دور کرنے کے لئے کمر ہمت باندھیں۔ اس موقعہ پر جو بھی شخص اس کام میں روڑا اٹکاتا ہے اسے کسی حالت میں بھی ہندو جاتی کا ہتیشی (خیر خواہ) نہیں کہا جا سکتا۔"

آریہ کیوں گاندھی جی کی حمایت کر رہے ہیں

قطع نظر اس سے کہ گاندھی جی۔ اور ان کی حمایت کرنے والے اس بارے میں حق بجانب ہیں۔ یا وہ ہندو جو گاندھی جی کے متعلق یہ کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے اچھوتوں کو ہندوؤں میں شامل کرنے کی

جدوجہد شروع کر کے ہندو دھرم کو نشٹ کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے اور جو انہیں لپشاچ۔ بلکہ اس سے بھی بدتر قرار دے رہے ہیں۔ جیسا کہ حال ہی میں ہوشیارپور کے ایک بڑے جلسہ میں ان کے متعلق کہا گیا۔ اور ساتھ ہی آریوں کو بھی ہندو دھرم کے دشمن۔ اور اس کو تباہ کرنے والے بتایا گیا۔ قابلِ غور سوال یہ ہے۔ کہ آریہ جو خود ہندو دھرم کی اینٹ سے اینٹ بجا چکے۔ اور اس کو بالکل نئی شکل میں پیش کر رہے ہیں کیوں گاندھی جی کے سب سے بڑے حامی اور مددگار بنے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ سمجھتے ہیں جس کام کو بانیٔ آریہ سماج نے شروع کیا تھا۔ وہی کام گاندھی جی سرانجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ علے الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ رشی دیانند اور گاندھی جی کا مشن ایک ہی ہے۔ چنانچہ "پرتاپ" (۲۷- نومبر ۳۳ء) لکھتا ہے:-

"رشی دیانند اور مہاتما گاندھی تاریخ ہند کے دو چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔ دونوں کی تعلیم۔ دونوں کا پروگرام۔ دونوں کی زندگی کا مقصد ایک دوسرے سے اس طرح ملتا ہے۔ کہ ایک معمولی انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ دونوں میں بڑا کون ہے۔ ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے۔ تو دونوں ہمارے لئے ایک معجزہ ہیں۔ سوامی دیانند نے مذہبی اور مجلسی میدانوں میں کام کیا۔ لیکن پھر بھی وہ کسی سیاسی لیڈر سے کم نہ تھے۔ وہ اپنے دیش کو اسی طرح آزاد کرانا چاہتے تھے۔ جیسے موجودہ وقت میں کوئی سیاسی لیڈر کرانا چاہتا ہے۔ اور یہی حالت مہاتما گاندھی کی ہے۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ پولیٹیکل میدان میں صرف ہوا ہے لیکن مذہبی اور مجلسی ترقی کے لئے وہ بھی اتنے ہی خواہش مند ہیں جتنا کہ کوئی مذہبی لیڈر ہو سکتا ہے۔ انہوں نے دھرم کی رکھشا کے لئے اتنی ہی قربانیاں کی ہیں۔ جتنی کہ کوئی دھارمک نیتا کر سکتا ہے"

خود گاندھی جی بھی اس بات پر فخر کا اظہار کر چکے ہیں۔ کہ اچھوتوں کے متعلق ان کا بھی وہی مشن ہے۔ جو سرکردہ آریہ لیڈروں کا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آریوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:-

"میں شردھانند نگر میں بیٹھا ہوں۔ میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں۔ کہ میرا مشن بھی وہی ہے۔ جو سوامی شردھانند جی کا تھا۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں ہری جنوں کے اودھار کے لئے بہت زیادہ کام کیا تھا" (سیاست ۱۷- دسمبر ۳۳ء)

آریوں نے اچھوتوں کے متعلق کیا کیا

شردھانند جی نے اچھوتوں کے متعلق جو کام کیا۔ وہ یہی تھا۔ کہ روپیہ کا لالچ دے کر کچھ اچھوتوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ کر لیا۔ اور پھر انہیں پہلے سے بھی بدتر حالت میں دھکے کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ یعنی نہ تو انہیں اپنی سابقہ برادری میں رہنے کے قابل چھوڑا اور نہ ہندوؤں میں مساوی درجہ دلا سکے۔ اب گاندھی جی بھی یہی کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف تو وہ اچھوت اقوام کی ہستی مٹا کر انہیں ہندوؤں میں شامل کر لیں۔ اور اس طرح ہندوؤں کی طاقت و قوت میں اضافہ کر سکیں۔ اور دوسری طرف اچھوتوں کو سابقہ حالت سے بھی بدتر حالت میں رہنے کے لئے مجبور کر دیں۔

مسلمان کیوں اچھوتوں کو مسلمان نہ بنائیں

ورنہ اگر ان کی یہ غرض ہو۔ کہ اچھوت اقوام موجودہ قابل رحم حالت سے نکل کر دوسرے انسانوں کے مساوی درجہ حاصل کر سکیں۔ تو وہ باوجود یہ اعتراف کرنے کے کہ

"اسلام میں میرے نزدیک سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ وہ مساوات اور اخوت کا سبق دیتا ہے۔ اسلام میں بادشاہ اور غلام کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ میں اسی کا اجرا چاہتا ہوں" (مدینہ ۹- دسمبر ۳۳ء)

مسلمانوں کے متعلق یہ کیوں پسند نہیں کرتے۔ کہ وہ بھی اچھوتوں کی ترقی و اصلاح میں حصہ لیں۔ اور انہیں اسلام کی پیش کردہ مساوات اور اخوت سے مستفیض کر سکیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں جب گاندھی جی بھوپال گئے۔ تو وہاں انہوں نے مسلمانوں سے کہا۔ کہ

"وہ اچھوت ادھار میں ان کی مدد تو کریں۔ یعنی انہیں روپیہ دیں۔ لیکن اچھوتوں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہ کریں" ("انقلاب" ۱۹- دسمبر و "عادل" ۱۴- دسمبر ۳۳ء)

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ گاندھی جی کے پیشِ نظر اچھوتوں کی اصلاح و ترقی نہیں ہے۔ بلکہ ہندوؤں کی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا ہے۔ ورنہ جب انہیں خود اعتراف ہے۔ کہ اسلام میں تمام انسانوں کے متعلق جو مساوات اور اخوت رکھی گئی ہے اس کا عشر عشیر بھی ہندو دھرم میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہندو دھرم اچھوتوں کو دائمی لعنت اور ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ تو انہیں چاہیئے تھا۔ کہ خود بھی اسلامی مساوات سے مستفیض ہونے کی کوشش کرتے۔ اور اچھوتوں کو بھی بتاتے۔ کہ اگر وہ انسانیت کا درجہ حاصل کرنا۔ اور مساوات و اخوت کی سلک میں منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ تو اسلام قبول کر لیں۔ لیکن یہ بات تو رہی ایک طرف۔ گاندھی جی کو تو اتنا بھی گوارا نہیں۔ کہ مسلمان اچھوتوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ اور انہیں اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔

گاندھی جی کیا چاہتے ہیں؟

پھر جب گاندھی جی آزادیٔ خیال۔ آزادیٔ عقیدہ اور آزادیٔ ضمیر کے بہت بڑے دعویدار بنتے ہیں۔ تو انہیں مسلمانوں کو یہ کہنے کا کیا حق ہے۔ کہ وہ اچھوتوں کو اسلام میں داخل نہ کریں۔ جب گاندھی جی ہندو دھرم کو نابود ہونے سے بچانے۔ اور ہندوؤں کو مضبوط بنانے کے لئے یہ ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اچھوت اقوام کو ہندوؤں میں جذب کر لیں۔ تو وہ مسلمانوں کو یہ کہنے میں کیونکر حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ اچھوتوں کو اسلام ایسی نعمت سے بہرہ ور نہ کریں۔ گاندھی جی تو آج تک راسخ الاعتقاد ہندوؤں کے اس چیلنج کو منظور کرنے کی جرأت ہی نہیں کر سکے۔ کہ وہ اچھوت اقوام کو ہندوؤں میں داخل کرنے کے متعلق ہندو دھرم کی مذہبی کتب سے کوئی سند پیش کریں۔ لیکن اسلام نے ہر مسلمان کا یہ فرض قرار دیا ہے۔ کہ وہ ہر انسان کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لانے۔ اور اس کی برکات سے مستفیض کرنے کی کوشش کرے ایسی حالت میں گاندھی جی سے تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اچھوتوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی کوشش نہ کریں۔ لیکن گاندھی جی مسلمانوں سے یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ اچھوتوں کو اسلام میں داخل نہ کریں۔ مگر الٹا گاندھی جی نے مسلمانوں سے یہ کہدیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان کے مدنظر اچھوتوں کی اصلاح و ترقی نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کو مضبوط بنانا۔ اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو کمزور کرنا ہے۔ اگرچہ گاندھی جی کی قسمت میں اس بارے میں بھی ناکامی ہی لکھی ہے۔ تاہم مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اچھوت اقوام کی اصلاح کے لئے سرگرمی سے کام لیں۔ اور انہیں اسلام میں داخل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ کہ اچھوتوں کی ذلت اور نکبت کے دور ہونے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

"آہ نادر شاہ کہاں گیا"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی "آہ نادر شاہ کہاں گیا" جس صفائی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔ وہ اسی سے ظاہر ہے۔ کہ جہاں غیر احمدیوں۔ اور غیر مسلموں کا ایک طبقہ ہماری ہر بات پر الٹے پلٹے اعتراض کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ وہاں مذکورہ بالا پیشگوئی کے متعلق ہماری پیش کردہ تشریحات و تفصیلات کے خلاف کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حتیٰ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی اس وقت تک اس کے خلاف ایک لفظ نہیں لکھ سکے۔ یہ بات بھی اس پیشگوئی کی اہمیت اور صداقت ظاہر کرنے والی ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتنی عظیم الشان پیشگوئی جس انسان کے متعلق کی گئی تھی۔ وہ نہایت معمولی حالت سے باوجود بہت بڑی مشکلات اور مصائب کے غیر معمولی طور پر اس مقام پر پہونچ گیا۔ جس کی یہ پیشگوئی متقاضی تھی۔ چنانچہ "انقلاب" (۱۲- جنوری) لکھتا ہے:-

"اعلیٰحضرت شاہ شہید اتنے عظیم الشان انسان تھے۔ کہ کم از کم افغانستان اتنا جامع اوصاف انسان آج تک پیدا نہیں کر سکا"

اس سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کی شان ظاہر ہے۔ کہ آپ نے جس انسان کے متعلق غمناک خبر دی تھی۔ اس نے غیر معمولی طور پر ترقی کر کے ایک ایسا وسیع حلقہ پیدا کر لیا جس میں اس کا غم محسوس کیا گیا۔ اور ہمیشہ محسوس کیا جاتا رہے گا۔

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اسلام نے

تمدنی معاملات

کے متعلق ایک ایسی تعلیم دی ہے۔ جو اپنی ذات میں گو نہایت ہی مکمل ہے لیکن جب تک اسے اپنے

تمام پہلوؤں کے ساتھ مدنظر

نہ رکھا جائے۔ اور اس پر کامل طور پر عمل نہ کیا جائے۔ وہ مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ مثلاً اسلام نے سود سے روکا ہے۔ سود دنیا میں دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ سود جو مالدار آدمی اپنے مال کو اور بڑھانے کے لئے دوسرے مالداروں سے رقم لے کر ان کو ادا کرتا ہے۔ جیسے

تاجر پیشہ لوگ

یا بینک وغیرہ کرتے ہیں۔ اور ایک وہ سود ہے۔ جو غریب آدمی اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی

صاحب استطاعت سے قرض

لے کر اسے ادا کرتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں سودوں سے منع کیا ہے۔ اس سود سے بھی روکا ہے۔ جو تجارت یا جائداد کو فروغ دینے کے لئے مالداروں سے روپیہ لے کر انہیں ادا کیا جاتا ہے اور اس سود سے بھی منع کیا ہے۔ جو غریب آدمی اپنی غربت سے تنگ آ کر کسی صاحب استطاعت سے قرض لینے کے بعد اسے ادا کرتا ہے۔ اور نہ صرف ایسا سود دینے سے روکا۔ بلکہ لینے سے بھی منع کیا ہے۔ اور نہ صرف

سود لینے دینے سے منع کیا

بلکہ گواہی دینے والوں۔ اور تحریر کرنے والوں۔ غرض سب کو مجرم قرار دیا؛

تاجر پیشہ لوگوں کے سود کے متعلق تو جب کوئی شخص سوال کرے۔ کہ مثلاً اس کے پاس دس ہزار روپیہ ہے۔ اور وہ اس سے دس لاکھ روپیہ کما سکتا ہے۔ اگر وہ بنکوں یا دوسرے افراد سے روپیہ لے کر اسے ترقی نہ دے۔ تو کیا کرے۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ صبر کرے۔ دس ہزار روپیہ اس کے لئے کافی ہے۔ اسی پر وہ گزارہ کرتا رہے۔ مگر جس وقت یہ سوال پیش کیا جاتے۔ کہ ایک غریب آدمی بھوک سے مر رہا ہے کھیتی اس کی نہیں ہوئی۔ اناج اس کے گھر میں نہیں آیا۔ بارشیں وقت پر نہیں برسیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنی زمین کے لئے روپیہ مانگتا ہے۔ تو بغیر سود کے لوگ اسے دیتے نہیں۔ اب وہ کیا کرے۔ اگر وہ بیل نہ خریدے گا۔ تو کھیتی کس طرح کرے گا۔ یا عمدہ بیج نہیں لے گا۔ تو وہ اور اس کے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے۔ اس کے لئے

ایک ہی صورت

ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ روپیہ قرض لے۔ مگر جب لوگ اسے بغیر سود کے قرض نہ دیں۔ تو وہ کیا کرے۔ جب یہ سوال پیش کیا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب دینا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور درحقیقت یہی وہ سود ہے جس کے حالات اور کوائف سننے کے بعد انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ وہ کیا جواب دے۔ مالدار آدمی کو تو جھٹ ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ سود پر روپیہ مت دو۔ اگر دس ہزار روپیہ ہے۔ تو اسی پر کفایت کرو سود کے ذریعہ زیادہ بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر ایک غریب آدمی کو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسی حالت پر کفایت کرو۔ اس کو تو ایک ہی جواب دیا جا سکتا ہے۔ کہ بھوکے رہو۔ اور مر جاؤ۔ مگر یہ کوئی ایسا معقول جواب نہیں۔ جس سے ہمارے نفس کو تسلی ہو۔ یا

سائل کے دل کو اطمینان

حاصل ہو۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام نے اس کا کیا حل رکھا ہے۔ اگر ہم

اسلامی تعلیم پر غور

کریں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک غریب آدمی تو ایسا ہوتا ہے۔ جس کے پاس روپیہ نہیں۔ مگر جائداد ہوتی ہے۔ اس کے لئے تو یہ صورت ہے۔ کہ جائداد رہن رکھے اور روپیہ لے۔ مگر ایک ایسا غریب ہوتا ہے جس کے پاس جائداد بھی نہیں ہوتی۔ جسے رہن رکھ سکے۔ یا اگر جائداد ہوتی ہے۔ تو وہ اس قسم کی ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ اسے رہن رکھ دے۔ تو اس کا کاروبار بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً زمیندار ہے۔ اگر وہ زمین رہن رکھ دیتا ہے۔ تو وہ کھیتی باڑی کہاں کرے گا۔ اپنے مکان کی چھت یا صحن میں تو وہ کھیتی نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں اسلام نے یہ رکھا ہے۔ کہ ایک طرف تو

امراء پر ٹیکس

لگا دیا جس سے غرباء کی امداد کی جا سکتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہا۔ کہ جب ٹیکس سے بھی کسی غریب کی ضرورت پوری نہ ہو۔ تو جو اس کے دوست واقف کار یا محلے والے ہوں۔ وہ اسے

قرض حسنہ

دیں؛

یہ ایک ایسا نظام ہے کہ اگر اس کے تمام پہلوؤں کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ تو ایک صورت کبھی کام نہیں دے سکتی۔ مگر ہمارے لئے اس میں بھی کئی روکاوٹیں ہیں کیونکہ اسلام نے امراء پر جو کئی قسم کے ٹیکس لگائے ہیں۔ وہ ہم وصول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ گورنمنٹ وصول کر لیتی ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ آتی ہے۔ مگر وہ بہت ہی کم ہوتی ہے۔ پس جبکہ امراء کے ٹیکسوں سے ہم اپنی

جماعت کے غرباء کی ضرورت

کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ تو ہمارے لئے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اپنی جماعت سے کہیں۔ کہ امیر آدمی غرباء کو ضرورت کے وقت قرض حسنہ دیا کریں۔ اور کبھی کبھار میں جماعت کو کہتا بھی رہتا ہوں۔ مگر جس حد تک کہنے سے احساس پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ میں نہیں کہتا۔ اور نہیں کہہ سکتا۔ اور آج اسی کے متعلق میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں جماعت کو زیادہ زور کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ امیر غرباء کو قرض حسنہ دیا کریں؛

میرے نہ کہہ سکنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ میرے پاس جسقدر

مالی جھگڑے

آتے ہیں۔ ان میں سے ۹۹ فی صدی ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں مجھے نظر آرہا ہوتا ہے۔ کہ مقروض قرض واپس کرنے سے گریز کر رہا ہوتا ہے۔ اور ایک فی صدی جھگڑا میرے سامنے ایسا آتا ہے۔ جس میں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرضہ دینے والا

مطالبہ میں سختی

کر رہا ہے۔ مگر ۹۹ فی صدی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو قرضہ لیتے ہیں۔ اور پھر واپس نہیں کرتے۔ بلکہ گریز کرتے۔ اور قرض دینے والے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جو شخص قرض لے کر واپس نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق تو ہماری شریعت کا یہ حکم ہے۔ کہ

فنظرۃ الی میسرۃ

کشائش تک اسے مہلت دینی چاہیئے۔ اور ایسا انسان جو واقعہ میں تنگی میں ہو۔ اور مالی مشکلات کی وجہ سے روپیہ ادا نہ کر سکتا ہو میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کوئی

معقول پسند انسان

یہ کہے۔ کہ مجھے اس سے روپیہ دلوا دیجئے۔ ہم یہی پوچھیں گے۔ کہ ہم کہاں سے دلوائیں۔ وہ تو خود کئی قسم کی

مشکلات میں مبتلا

ہے۔ لیکن جو میری نظر میں کیس آتے ہیں۔ وہ ننانوے فی صدی ایسے ہوتے ہیں۔ کہ قرض لینے والے کا حق ہی نہیں ہوتا۔ کہ قرض لے۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں۔ کہ قرض لینے والے کا حق نہیں ہوتا۔ کہ قرض لے۔ تو اس سے میری مراد یہ ہے۔ کہ وہ شخص قرض لیتا ہے۔ جسے کہیں سے روپیہ آنے کی امید ہی نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک جو شخص اس حالت میں قرض لیتا ہے۔ جبکہ اسے کہیں سے روپیہ آنے کی امید نہیں ہوتی۔ اور وہ دوسرے پر اپنی

غربت کا اثر

ڈال کر اس سے روپیہ کھینچ لیتا ہے۔ وہ دھوکے باز اور فریبی ہے جب اسے معلوم ہے۔ کہ مجھے روپیہ کہیں سے نہیں آنا۔ تو وہ قرض لیتا ہی کیوں ہے۔ اور جب اس نے بعد میں تقاضوں پر دوسرے کو یہ جواب دینا ہے۔ کہ میں کیا کروں۔ تو وہ پہلے سے کیوں اس مصیبت کو دور کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ ایسا شخص جب دوسرے سے قرض لے رہا ہوتا ہے۔ تو منہ سے تو قرض دینے والے کو کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں جلدی ادا کر دوں گا۔ مگر دل میں اس کے یہ ہوتا ہے۔ کہ روپیہ میرے قابو میں آجائے۔ پھر کون واپس لے سکتا ہے۔ میں ایسے شخص کو یقینی طور پر ویسا ہی مجرم سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گھر میں سیندھ لگانے والا بلکہ اس سے زیادہ برا۔ کیونکہ جو شخص سیندھ لگاتا ہے۔ وہ تو اپنے آپ کو چور کہتا ہے۔ مگر یہ ایک طرف تو اپنی

دیانتداری کا سکہ

بٹھاتا ہے۔ دوسری طرف جماعت کی ہمدردی اور اخوت یاد دلاتا ہے تیسری طرف قرآن مجید کے احکام سناتا۔ اور کہتا جاتا ہے۔ میری ضرور مدد کرو۔ احمدیت آخر کس چیز کا نام ہے۔ ایک مہینہ یا دو مہینہ تک روپیہ ادا کر دوں گا۔ اس دھوکے اور فریب کے ذریعہ وہ دوسرے کا مال اڑا لیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ شائد میں دیانت دار ہی مشہور رہوں گا۔ مگر آخر وہ دھوکہ باز مشہور ہو جاتا ہے۔ اور ہر شخص سمجھ لیتا ہے۔ کہ یہ فریبی ہے۔ بہانوں سے روپیہ وصول کر لیتا ہے مگر دینے کا نام نہیں لیتا۔ پھر اسے یہ بھی تو سوچنا چاہیئے۔ کہ اگر

ایک شخص سے لیا ہوا روپیہ

ہمیشہ تو کام نہیں آسکتا۔ کچھ عرصہ کے بعد ضرور ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گا۔ شائد اس کا خیال ہو۔ وہ کسی دوسرے سے لے لیگا اور ممکن ہے۔ اس میں کامیاب بھی ہو جائے۔ مگر پھر کیا کرے گا۔ اس کے بعد اگر وہ تیسرے شخص کو بھی دھوکا دے دے۔ تو پھر کیا ہو گا۔ آخر چھ مہینے سال دو سال چار سال کے بعد لوگ شور مچائیں گے۔ اور اسے قرض دینا بند کر دیں گے۔ پھر وہ جماعت کے پاس آئے گا۔ اور کہے گا۔ اب میں کیا کروں۔ میرے لئے کوئی انتظام کرو۔ مگر یہی بات اس نے پہلے کیوں نہ کی۔ اور قرض لینے سے پہلے ہی وہ کیوں نہیں فکر کرتا۔ کہ اب میں کیا کروں۔

دھوکا بازیاں کرنے کے بعد

اس نے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ پہلے کیوں نہیں کہہ دیتا۔ ہاں بعض دفعہ یقین ہوتا ہے۔ کہ کہیں سے روپیہ آنے والا ہے۔ مثلاً کسی نے اس کا سو دو سو روپیہ دینا ہو۔ اور سال بھر کا وعدہ ہو۔ اس دوران میں اسے خود

روپیہ لینے کی ضرورت

پیش آجائے۔ اور وہ کسی کے پاس جا کر کہے۔ کہ مجھے فلاں سے روپیہ لینا ہے۔ کیا آپ مجھے اس روپیہ کے ملنے تک جس کی مجھے غالب امید ہے۔ کچھ روپیہ قرض دے سکتے ہیں۔ اگر دے دیں۔ تو کام چل سکتا ہے۔ یا زمیندار اگر کہدے۔ کہ فصل پکنے پر روپیہ ادا کر دوں گا تو یہ اور بات ہے لیکن اگر اسے کہیں سے

روپیہ کی وصولی کی امید

ہی نہ ہو۔ اور پھر بھی وہ روپیہ قرض لئے جاتا ہے۔ تو وہ یقیناً دھوکا باز ہے۔ ایسا شخص سمجھ رہا ہوتا ہے۔ کہ چونکہ میں قرض لے رہا ہوں۔ اس لئے یہ جائز کام ہے۔ حالانکہ قرض وہ ہوتا ہے۔ جس کے

ادا کرنے کی ہمت

ہو۔ جب ہمت ہی نہ ہو۔ تو پھر قرض کے نام سے روپیہ لینا قرض نہیں بلکہ ٹھگی ہے۔ مثلاً ایک شخص جس کی پچاس روپیہ بھی آمد نہ ہو۔ اگر وہ دو لاکھ روپیہ قرض لے لے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس نے قرض لیا ہے۔ ہر شخص کہے گا۔ کہ یہ قرض نہیں۔ بلکہ دھوکا اور فریب ہے دو لاکھ چھوڑ اس کی تو دو ہزار کی بھی حیثیت نہیں۔ یہی مثال پچاس بیس یا دس روپیہ قرض لینے پر بھی عائد ہو سکتی ہے۔ جب ایک شخص میں دس روپیہ قرض ادا کرنے کی بھی ہمت نہیں۔ تو اگر وہ دس روپیہ بھی لیتا ہے۔ تو دھوکا بازی کرتا ہے چونکہ ہماری

جماعت کا قرض لینے والا حصہ

خواہ وہ دس بیس پچاس سو یا دو سو روپیہ قرض لیتا ہو۔ بسا اوقات ایسی صورت میں قرض لیتا ہے۔ جبکہ وہ اسے ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس لئے میری

تشریح کے مطابق

ننانوے فی صدی یقینی طور پر دھوکا باز ہیں۔ اور جبکہ اس قسم کے لوگ ہماری جماعت میں موجود ہوں۔ میں کس طرح ترغیب دے سکتا ہوں۔ کہ غریبوں کو قرض دو۔ میرا

اپنا تجربہ

یہی ہے۔ خلافت کے ابتدائی چار پانچ سالوں میں میرے پاس لوگوں کی بہت سی امانتیں رہتی تھیں۔ بعض دفعہ بیس بیس تیس تیس ہزار روپیہ امانتوں کا ہو جاتا تھا۔ اور چونکہ میرے پاس یہ روپیہ موجود ہوتا تھا۔ اس لئے جب مجھ سے کوئی شخص قرض مانگتا۔ تو میں اسے دیدیتا مگر میں دیکھتا۔ کہ قرض لینے والوں کا بیشتر حصہ ایسا ہوتا۔ جو قرض لے کر بھول جاتا۔ اور چونکہ میرے لئے یہ ایک نہایت ہی مشکل تھی۔ اس لئے میں نے امانتیں لینی چھوڑ دیں۔ اب بھی

بعض امانتیں

اگرچہ لوگ میرے پاس رکھواتے ہیں۔ مگر میں انہیں اپنے پاس نہیں رکھتا۔ بلکہ

بنک میں جمع

کرا دیتا ہوں۔ اس لئے اب اگر مجھ سے کوئی شخص قرض مانگے۔ تو سچائی سے میرے پاس یہ عذر ہوتا ہے۔ کہ اپنا کیا دوسروں کا بھی میرے پاس روپیہ نہیں۔ کیونکہ میرے لئے یہ مشکل ہوتی ہے۔ کہ کوئی مصیبت زدہ میرے پاس آئے۔ اور میں اس کی

امداد سے قاصر

رہوں۔ انہی مشکلات کی وجہ سے میں اب لوگوں کو جرأت نہیں دلاتا۔ کہ میرے پاس امانتیں رکھوا دیا کرو۔ ورنہ

حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ

ہر ہفتہ درس وغیرہ میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ روپیہ اپنے گھر میں نہ رکھو۔ بلکہ میرے پاس رکھا دیا کرو۔ تا وہ محفوظ رہے۔ ابتدائے خلافت میں میں بھی کہہ دیا کرتا تھا۔ اور اس طرح کافی رقم جمع ہو جایا کرتی تھی۔ مگر اب میں اول تو امانتیں لیتا ہی نہیں۔ اور اگر لوں بھی تو انہیں بنک میں جمع کرا دیتا ہوں۔ مگر چونکہ دوسروں کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہے۔ اور ہماری

جماعت کا کثیر حصہ

بلکہ اگر میں غلطی نہیں کرتا۔ تو ننانوے فی صدی حصہ ایسا ہے۔ کہ

سے حق ہی نہیں ہوتا۔ کہ قرض لے۔ یا اگر حق ہوتا ہے۔ تو جب روپیہ اسے ملتا ہے۔ تو وہ اور جگہ خرچ کر دیتا ہے۔ اس لئے مجھے یہ نصیحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ میں عام طور پر دیکھتا ہوں۔ کہ اول تو قرض ایسی حالت میں لیا جاتا ہے۔ جب قرض ادا کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں ہوتی۔ اور اگر کہیں سے

روپیہ آنے کی امید میں قرض

لیا جاتا ہے۔ تو جب روپیہ آ جاتا ہے۔ تو اور جگہوں پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ اور دل میں خیال کر لیا جاتا ہے۔ کہ جب قرض خواہ مانگنے آئے گا۔ تو ہم کہیں گے۔ ہم کیا کریں۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے اور اگر زیادہ اصرار کرے گا۔ تو کہدیں گے۔ ہمارا مکان ہے بیس ہزار اس کی لاگت ہے۔ یہ خرید لو۔ اور اسی میں اپنا قرض وضع کر لو۔ چاہے اس وقت وہ پانچ ہزار روپیہ کا ہی ہو۔ اب کون بے وقوف ہوگا جو دو ہزار روپیہ

قرض وصول کرنے کے لئے

اٹھارہ ہزار اور خرچ کرے۔ یا بعض دفعہ مکان بناتے وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ مگر بعد میں قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اس صورت میں مکان خریدنے والے کو گھاٹا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر مقروض سمجھتا ہے۔ میں نے مکان پیش کر دیا ہے۔ اسی جھگڑے میں ایک دو سال اور گذر جائیں گے۔ حالانکہ یہ قرض دینے والے کا کام نہیں۔ کہ وہ مکان خریدے۔ یا بیچے۔ بلکہ قرض لینے والے کا کام ہے۔ کہ وہ جس طرح ہو قرض ادا کرے۔ مکان بکتا ہے۔ تو خود بیچے۔ اور جس قیمت پر بکتا ہے۔ فروخت کر کے قرض ادا کرے

غرض عدم ادائگی کا نقص ایسا ہو گیا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے اب مجھے جرأت ہی نہیں ہوتی۔ کہ غریبوں کی مدد کے لئے

قرض حسنہ کی تحریک

کی جائے۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں تحریک کروں۔ تو کئی مخلص ایسے کھڑے ہو جائیں گے۔ جو قرض دینے کے لئے تیار ہوں گے مگر آخر

ساری ذمہ واری

مجھ پر آ جائے گی۔ وہ کہیں گے۔ آپ نے وعظ کیا تھا۔ اور ہم نے روپیہ دے دیا۔ اب روپیہ لینے والے دیتے نہیں۔ آپ ہی دلوائیے۔ کیونکہ قرض لینے والے ننانوے فی صدی میری تشریح کے مطابق ٹھگ ہوں گے۔ اور گو وہ یہ بھی کہیں۔ کہ ہماری نیت تھی۔ کہ ہم روپیہ ادا کر دیں۔ پھر بھی وہ

الزام سے بری

نہیں ہو سکتے۔ کیا اگر کوئی شخص عمارت بنانا چاہے۔ اور اسے بیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہو۔ مگر اس کے پاس صرف دس ہزار ہو۔ باقی دس ہزار کے متعلق ایک شخص اسے کہے۔ کہ آپ عمارت شروع کریں۔ میں دس ہزار روپیہ دے دوں گا۔ لیکن جب عمارت نامکمل صورت میں کھڑی ہو جائے اور وہ آ کر کہے۔ کہ روپیہ دیجئے۔

بارش کا خطرہ

ہے۔ عمارت گر جائے گی۔ تو وہ کہہ دے۔ میری نیت تو ہے۔ کہ آپ کو دس ہزار روپیہ دوں۔ مگر پاس نہیں۔ تو کیا تم کہو گے۔ کہ وہ بڑا مخلص ہے۔ کیونکہ اس کی نیت تو ہے۔ کہ وہ دس ہزار روپیہ دے۔ ہر شخص کہے گا۔ کہ وہ دھوکا باز ہے۔ اس نے دھوکا دیکر اس کا روپیہ بھی برباد کرایا۔ اور آپ پیچھے ہٹ گیا۔ یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اگر بعض لوگ آپ کے پاس آتے۔ اور کہتے یا رسول اللہ فلاں

دشمن کے مقابلہ میں لشکر کشی

فرمائیں۔ دس ہزار آدمی ہمارا آ جائے گا۔ اور جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تیار ہو کر باہر نکلتے۔ تو دو چار آدمی بھیج دیتے۔ اور کہتے۔ ہماری نیت تو دس ہزار ہی بھیجنے کی تھی۔ مگر ملے نہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ چونکہ دس ہزار کا انہوں نے وعدہ کیا۔ اس لئے بڑے مخلص سمجھے جاتے۔ نہیں بلکہ جتنی زیادہ انہوں نے اس رنگ میں نیت کی۔ اتنا ہی زیادہ وہ

منافق اور دھوکا باز

ثابت ہوئے۔ نیت وہ ہوتی ہے۔ جس کے پورا کرنے کا یقین ہو۔ مگر قرض لینے والوں میں سے ننانوے فی صدی جانتے ہیں کہ ہم قرض ادا نہیں کر سکتے۔ پھر بھی وہ قرض لیتے ہیں۔ یا نیت ادا کرنے کی کرتے ہیں۔ مگر ایسی جو کبھی پوری نہ ہو۔ پس درحقیقت ان کی نیت بھی شیطانی ہوتی ہے ؎

اسی طرح تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ بیسیوں آدمی میرے پاس آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہمارے پاس روپیہ ہے۔ کہیں تجارت پر لگوا دیجئے۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر ہی میں نے تقریر کی۔ کہ اس قسم کے لوگ میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ پندرہ بیس ہزار روپیہ سالانہ جمع ہو جانا کوئی مشکل بات نہیں۔ جلسہ کے بعد میرے پاس

تین آدمیوں کی دستخطی چٹھی

پہنچی۔ کہ بس روپیہ کا ہی سوال تھا۔ ہمیں روپیہ دیجئے۔ تاکہ ہم تجارت شروع کریں۔ اور وہ تینوں ایسے تھے۔ کہ اگر میں بھی انہیں قرض دوں۔ تو وہ ایک دمڑی تک اس میں سے واپس نہ کریں۔ اور ایک تو ان میں سے پچھلے دنوں

بددیانتی کیوجہ سے قید

بھی ہو گیا ہے۔

یہ ایک ایسا نقص ہے۔ جس نے

سلسلہ کا نظام

بہت حد تک تہ و بالا کر رکھا ہے۔ اگر قرض ادا کرنے کی ہمت ہی نہیں تو کسی سے قرض لینے سے پیشتر ایسے شخص کا فرض ہے۔ کہ لوگوں سے کہہ دے۔ کہ میں کنگال ہوں۔ میری مدد کرو۔ مگر جب وہ بغیر اپنے حالات پر غور کئے قرض لے لیتا ہے۔ تو وہ فریبی ہے۔ مانگنا علیحدہ چیز ہے۔ اگر کوئی شخص سوال کرتا ہے تو اگر اس نے بغیر کسی اور ذریعہ سے کام لینے کے جلدی سے سوال کر دیا۔ تو ہم کہیں گے۔ یہ کم ہمت ہے۔ اور اس میں

اخلاق کی کمی

ہے۔ مصائب آئے۔ مگر وہ جلدی ان سے گھبرا گیا۔ لیکن قرض لینے والے کو جبکہ وہ ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ ہم یہ نہیں کہیں گے۔ کہ کم ہمت ہے۔ بلکہ یہ کہیں گے۔ دھوکا باز ہے۔ ایسے لوگ مجلس میں بڑے فخر سے کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم سلسلہ سے تو نہیں مانگتے۔ ہم تو لوگوں سے قرض لیتے ہیں۔ حالانکہ جو سلسلہ سے مانگنے آتا ہے۔ وہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے۔ جو ادا کرنے کے ذرائع مفقود ہوتے ہوئے قرض لیتا ہے۔ کیونکہ مانگنے والا دھوکا نہیں دیتا۔ مگر وہ دھوکا دیتا ہے۔

پس میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ آئندہ سے اس طریق کو بند کرنا چاہیئے۔ قادیان میں بھی۔ اور باہر بھی کثرت سے ایسے لوگ ہیں۔ جو قرض لیتے۔ اور پھر واپس نہیں کرتے۔ مگر کثرت سے بھی وہ مراد نہیں۔ جو مخالف بعض دفعہ میرے اس قسم کے الفاظ سے لے لیتے ہیں۔ کہ کم از کم جماعت کے ۵۱ فیصدی لوگ ایسے ہیں۔ میرا اس قسم کے فقروں سے یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ جماعت میں

بیسیوں کی تعداد

میں ایسے لوگ ہیں۔ یہی بات میں اس وقت کہہ رہا ہوں۔ کئی لوگ ایسے ہیں۔ جن کا شغل ہی یہ ہے۔ کہ وہ قرض لیتے ہیں۔ اور پھر ادا کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اس طریق پر وہ خود بھی بدنام ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ جو جائز طور پر قرض لیتے۔ اور پھر

مجبوری کی وجہ سے

ادا نہیں کر سکتے۔ اگر مجبوریاں نہ ہوں۔ تو وہ فوراً ادا کر دیں۔

میں

جماعت کو نصیحت

کرتا ہوں۔ اور خصوصاً ان لوگوں کو جنہوں نے میری جلسہ سالانہ کی تقریر کے مطابق

سائکلین میں نام

لکھوائے ہیں۔ میں اس فکر میں ہوں۔ کہ سائکلین کے لئے ایسے قواعد وضع کئے جائیں۔ کہ نہ تو یہ کام ایسا بوجھل ہو جائے۔ کہ اپنی ذات میں ایک محکمہ بن جائے۔ اور نہ ایسا ہو۔ کہ صرف نام کے ہی سائکلین رہیں۔ اور کام کوئی نہ کریں۔ میں ایسے قواعد سوچ رہا ہوں۔ کہ بغیر کسی محکمہ پر خاص طور پر بوجھ ڈالنے کے دوست اپنی بھی اصلاح کریں۔ اور دوسروں کی بھی۔ اور امید کرتا ہوں کہ چند دن تک ان کو شائع کر سکونگا لیکن میں ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے نام پیش کئے ہیں۔

پہلا کام

یہ سپرد کرتا ہوں۔ کہ وہ

جماعت کی نگرانی

کریں اور عام طور پر یہ نصیحت کریں۔ کہ جسے یقینی طور پر روپیہ کی آمد کی امید نہ ہو۔ وہ کسی سے قرض نہ لے۔

دوسرے یہ بھی نصیحت کریں کہ جس شخص کو یقینی طور پر آمدنی کی کہیں سے امید نہ ہو اسے لوگ قرض دیا بھی نہ کریں۔ یہ بھی ایک نیکی ہے جس کا انہیں ثواب ملے گا۔ اب تو یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا مکان دو روپیہ ماہوار آمد کا ہوتا ہے مگر وہ بہت سا روپیہ قرض لے کر بیس روپیہ ماہوار کرایہ میں اُسے رہن رکھ دیتا ہے۔ روپیہ دینے والا خوش ہوتا ہے کہ مجھے بہت بڑا روپیہ مل جائے گا۔ حالانکہ وہ بیس روپے صرف نام کے ہوتے ہیں۔ ادا ایک بھی نہیں ہوتا۔ ابھی پچھلے دنوں ایک دوست نے مجھے لکھا کہ میرے پاس پانچ چھ ہزار روپیہ ہے اسے میں ایسی جگہ لگانا چاہتا ہوں۔ جہاں سے

پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار آمد

ہو جائے۔ حالانکہ جائداد پر اس سے آدھا منافع بھی نہیں مل سکتا۔ مگر انہوں نے لکھا۔ مجھے ایسے لوگ ملتے تو ہیں مگر میں چاہتا ہوں۔ آپ کی معرفت کام کروں۔ مگر بات یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگ مل رہے تھے۔ جو پچاس ساٹھ کہنے کو تو کہتے تھے۔ مگر ادا ایک بھی نہ کرتے اور نہ صرف انہیں منافع حاصل نہ ہوتا۔ بلکہ اصل روپیہ بھی کھو بیٹھتے کیونکہ ایسے لوگ جانتے ہیں۔ کہ آخر مقدمہ قضا میں آنا ہے اور قضا والے جھٹ کہدیں گے۔ کہ یہ سُود ہے۔ اور اگر مکان پر قبضہ دلایا جائے۔ تب بھی پانچ چھ ہزار میں اگر آٹھ سو روپیہ کا مکان کسی شخص کو دینا پڑے تو اسے تو فائدہ ہی رہا۔ پس ایسے لوگوں کو بھی سمجھائیں کہ بلا سوچے سمجھے دوسروں کو قرض نہ دیا کریں۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کے متعلق کوئی ایسا معاملہ دیکھیں۔ اور محسوس کریں کہ وہ دھوکا بازی کر رہا ہے۔ تو جماعت میں اس کی دھوکہ بازی اور فریب کاری کو ظاہر کریں پس یہ

تین کام

ہیں۔ اول یہ کہ بجائے اپنے کسی بھائی کو بدنام کرنے کے پہلے

عام رنگ میں نصیحت

کی جائے۔ کہ وہ لوگ جنہیں کہیں سے روپیہ آنے کی امید نہ ہو۔ وہ قرض نہ لیا کریں۔ دوسرے روپیہ دینے والوں کو نصیحت کریں۔ کہ ایسے لوگوں کو

قرض دینے سے اجتناب

کیا کریں۔ اور تیسری بات یہ ہے۔ کہ دھوکہ باز کا فریب جماعت میں ظاہر کریں۔ تا لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ پھر ہمیشہ

مظلوم کی تائید

کرنی چاہیئے۔ مگر غلطی سے لوگ مظلوم غریب کو قرار دیتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ امیر ہی ظالم ہے۔ حالانکہ اگر ایک کروڑپتی کا ایک روپیہ بھی کسی غریب نے دینا ہے۔ اور وہ دینے کی طاقت رکھتا ہؤا نہیں دیتا تو

کروڑ پتی مظلوم

ہے۔ اور غریب ظالم۔ اگر یہ تین کام ہماری جماعت کے لوگ کرنا شروع کر دیں۔ تو میں امید کرتا ہوں کہ چھ مہینہ سال تک اس حد تک اصلاح ہو جائے گی۔ کہ میں دلیری سے لوگوں سے یہ کہہ سکوں گا۔ کہ غریبوں اور حاجت مندوں کو قرض دیا کرو۔

پس وہ لوگ جنہوں نے میرے پاس اپنے نام بھجوائے ہیں۔ ان کے سپرد فی الحال میں یہ کام کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ وہ مہینہ دو مہینہ کے بعد مجھے اپنی رپورٹ بھیجا کریں گے۔ کہ ہم نے اس اس طرح

اصلاح کرنے کی کوشش

کی ہے۔ تاکہ میرے دل میں بھی ان کے لئے

دعا کی تحریک

ہو اور یہ بھی مجھے معلوم ہو تا رہے۔ کہ وہ سچ مچ کام کر رہے ہیں۔ صرف نام لکھوا کر ہی نہیں بیٹھ گئے۔

میں سمجھتا ہوں۔ اگر اس طریق پر کام کیا گیا۔ تو

غرباء کی مصیبت

ایک دن دور ہو سکے گی۔ اور جماعت بھی دلیری سے ان کی مدد پر تیار رہے گی۔ اور اس طرح سود کی لعنت سے بھی جماعت کا ایک حصہ خدا تعالیٰ کے فضل سے محفوظ ہو جائے گا

ایک ضروری اعلان

آنے والے یوم التبلیغ کے لئے ہندوؤں میں تبلیغ و تقسیم کرنے کے واسطے ایک زبردست ٹریکٹ "کرشن اوتار" چھپوایا جا رہا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کرشن کو نہایت قوی دلائل کے ساتھ دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ طرز تحریر اور استدلال بالکل اچھوتا اور دلآویز ہے۔ تمام اعتراضات کے جو حضور کے دعوے پر کئے جاتے تھے۔ ہندو لٹریچر سے نیز عقلی طور پر مسکت اور تسلی بخش جوابات دئے گئے ہیں لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔ ایک معززسے معزز شخص کو تحفتہً پیش کیا جا سکتا ہے۔ سیکرٹری صاحبان و احمدی اور انجمن کو حسب الاستطاعت منگوا کر تقسیم کرنا چاہیئے۔ ضخامت اردو ۲۲ صفحے ہندی ۲۸ صفحے۔ قیمت فی سینکڑہ چھ روپے کے حساب سے منی آرڈر کر دیں۔ تاکہ ٹریکٹ جلدی بھجوائے جائیں۔

(ناظر دعوت و تبلیغ)

اخبار فاروق کے متعلق ضروری اعلان

اخبار فاروق کے متعلق جو الفاظ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سالانہ جلسہ کے موقعہ پر بیان فرما چکے ہیں ان کے بعد کسی مزید تحریک یا سفارش کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں حضور کی اس تحریک کی یاد دہانی کرانے کی نیت سے یہ اعلان کر رہا ہوں۔ کہ احباب حضور کی اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فوری قدم اٹھائیں۔ اخبار فاروق کی موجودہ اشاعت واقعی اس کے اخراجات کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس کی تعداد خریداری کم از کم ایک ہزار جلد سے جلد ہو جانی چاہیئے۔ تاکہ فاروق کے بند ہونے کے رنجدہ اعلان کی وجہ سے جو دشمنوں کے گھر میں گھی کے چراغ جلے ہیں۔ وہ بجھ جائیں۔ اور مخالفوں کی خوشیاں۔ شرمندگی اور ناکامی سے بدل جائیں۔

احباب اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ منہ زور مخالفوں کی دندان شکنی کے لئے فاروق کی خدمات بہت مفید ہیں۔ غیر مبائعین اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے خواہ مخواہ کے اعتراضات کا قلع قمع جس انداز سے فاروق میں کیا جاتا ہے۔ وہ ان مخالفوں کی منہ زوری روکنے کے لئے میرے خیال میں نہایت مناسب ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ فاروق کی خدمات کو جاری رکھنے کے لئے اس کی خریداری بڑھائی جائے۔ سکرٹریان تبلیغ اپنے اپنے حلقوں میں اس کی خریداری بڑھانا اپنے فرائض میں سے سمجھیں۔ میرے خیال میں ہماری تین چار سو انجمنیں ہیں۔ اگر سلسلہ کے وقار کی خاطر تمام انجمنیں ایک ایک اخبار ہی انجمنوں کے نام جاری کرا لیں تو یہ کمی نہایت آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ اس ماہ کے اندر اندر میں ایڈیٹر صاحب فاروق سے یہ رپورٹ حاصل کر لوں۔ کہ احباب کی معمولی حرکت سے مطلوبہ تعداد بفضلہ تعالیٰ پوری ہو گئی ہے۔

(ناظر دعوت و تبلیغ قادیان)

آسٹریلیا میں تبلیغ

جناب صوفی حسن موسیٰ خان صاحب ایک پرانے اور مخلص احمدی ہیں۔ جو عرصہ سے آسٹریلیا میں رہائش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ وہ تبلیغی خطوط اور لٹریچر کے ذریعہ تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اسلام کی صداقت کے متعلق اخبارات میں مضامین بھی شائع کراتے رہتے ہیں وہ باوجود بڑھاپے کے تبلیغ اسلام میں نوجوانوں کی طرح کام کر رہے ہیں حال ہی میں انہوں نے ایک فہرست ایسے معززین کی بھیجی ہے۔ جو ان کے زیر تبلیغ ہیں۔ احباب صوفی صاحب کی کامیابی اور صحت و عافیت کے لئے دعا فرمائیں۔

احمدیت کے اصول

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی معرکۃ الآرا تقریر بمقام لکھنؤ

گذشتہ سے پیوستہ

چوتھی چیز حکمت سکھانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جبر کی تعلیم نہیں دی۔ کیونکہ اس سے نیکی نہیں پیدا ہوتی۔ یہ کہنا کہ یہ کام کرو۔ تو جنت ملے گی۔ ورنہ خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ یہ بات بچے کے متعلق تو کام دے سکتی ہے۔ لیکن ایک عقلمند کے دل میں ضرور یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کا تو مطلب یہ ہؤا۔ کہ نماز اس لئے پڑھی جاتی ہے۔ کہ دوزخ سے بچ جائیں۔ ورنہ اپنی ذات میں نماز میں کوئی خوبی نہیں۔ میں

ڈنڈے کے ڈر سے

اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے بچے سے کہیں کہ پڑھنے جاؤ۔ تمہیں فلاں کھلونا دینگے۔ وہ بچہ علم کو علم کے لئے نہیں۔ بلکہ کھلونے یا مٹھائی کے لئے حاصل کرے گا۔ لیکن ایک طرف تو ہمارا یہ دعوےٰ ہے۔ کہ انسان ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا

کامل انسان

پیدا ہوگیا۔ پہلے انبیاء کے وقتوں میں بنی نوع انسان کی حالت بچوں کی سی تھی۔ اس لئے ان کے لئے شریعت بھی ویسی ہی نازل ہوئی۔ پھر جب بلوغت کے قریب پہنچے۔ تو شریعت بھی اسی نسبت سے آگے بڑھی۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوگئی۔ کیونکہ آپ کے زمانہ میں

انسان بالغ

ہوگیا۔ لیکن سلوک اگر اب بھی اس سے بچوں والا ہی کیا جائے۔ تو ہمارا یہ دعوےٰ غلط ہوگا۔ کہ دنیا بلوغت کو پہنچ گئی۔ اگر اب بھی یہی کہا جائے۔ کہ نماز پڑھو۔ ورنہ دوزخ میں جاؤ گے۔ تو یہ انسان سے

بچوں والا سلوک

ہی ہوگا۔ میں ایک دفعہ ندوہ کے جلسہ میں گیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب نماز پر لیکچر دے رہے تھے۔ میں ان کا نام نہیں لیتا۔ اس وقت وہ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ بتا دیتا ہوں۔ کہ مولانا شبلی نہ تھے۔ وہ ندوہ کے مدرس تھے۔ ان کے

لیکچر کا خلاصہ

یہ تھا۔ کہ نماز پڑھو۔ خدا کہتا ہے۔ فائدہ اس کا یہ ہے۔ کہ جنت ملیگی جنت کیا ہے۔ ایک ایسی جگہ جہاں چاروں طرف خوبصورت اور جوان عورتوں کی تصویریں لگی ہوں گی۔ جس تصویر کی خواہش کیجائیگی وہ فوراً متمثل ہو کر حاضر ہو جائے گی۔ وہاں انسان کے اندر اس قدر طاقت آجائے گی۔ کہ خواہ ۲۴ گھنٹہ مجامعت کرتا رہے۔ تکان محسوس نہ ہوگی۔ میرے قریب لکھنؤ کے ایک بیرسٹر بیٹھے تھے۔ وہ کہنے لگے۔ خدا مولانا شبلی کا بھلا کرے۔ کہ آپ نے یہ لیکچر رات کو رکھا۔ ورنہ دن کو ہوتا۔ تو غیر مسلم بھی آجاتے۔ اور ہمارے لئے شرم کے مارے یہاں سے اٹھنا محال ہو جاتا۔ تو یہ بالکل بچہ والی بات ہے۔ اور اگر نماز روزہ کی یہی حکمت ہے۔ تو یہ انسان سے بالکل بچوں والا سلوک ہے۔ اور اس صورت میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام یہ تعلیم نہ دے سکتے تھے۔ نماز پڑھانے کے لئے اس سے

چھوٹی دلیل

اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہی دلیل تھی۔ تو نبیوں کے اس قدر لمبے سلسلہ کی کیا ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب انسان بچہ تھا۔ اس وقت تو بے شک ایسی تعلیم کافی تھی۔ کہ مانو تو انعام ملے گا۔ اور نہ مانوگے تو سزا۔ لیکن جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا۔ شریعت بھی بدلتی گئی۔ حتیٰ کہ قرآن کریم ایسی شریعت آئی جس کے

ہر حکم میں حکمت

ہے۔ اور ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے یہی معنے ہیں۔ کہ یہ جو کچھ بیان کرتا ہے۔ اس کی حکمت بھی ساتھ بتاتا ہے۔ مگر یہ بات مسلمانوں میں اب مفقود تھی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے حضرت میرزا صاحب کو مبعوث کیا۔ آپ کی کتابیں پڑھو۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح آپ نے

اسلام کے ہر مسئلہ کی حکمت

ایسے رنگ میں بیان فرمائی۔ کہ وہ اسے دیگر ادیان پر فائق ثابت کرتی ہے۔ آپ کی ایک تصنیف

اسلامی اصول کی فلاسفی

ہے۔ جس میں آپ نے یہی بات واضح کی ہے۔ اور یورپ کے بڑے بڑے معقول لوگوں نے اس پر ریویو کئے ہیں۔ اور اعتراف کیا ہے کہ اتنی چھوٹی سی کتاب میں اتنی اہم اور معقول باتیں بیان کرنا حیرتناک امر ہے۔ اس میں آپ نے بتایا ہے۔ کہ انسان اپنے اوپر بدی کے رستے کس طرح بند اور نیکی کے دروازے کس طرح کھول سکتا ہے۔ غرضیکہ آپ نے

اسلام کی خادم

ایک ایسی جماعت قائم کر دی ہے۔ جس کے مقابل مذہبی میدان میں یورپ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ ایک دفعہ عیسائیوں کے تین باا‌ثر پادری قادیان آئے۔ ان میں سے ایک مسٹر لوکس پرنسپل فورمین کرسچن کالج لاہور تھے۔ ایک مسٹر ہیوم لٹریری سکرٹری وائی۔ ایم۔ سی اے۔ اور ایک مسٹر والٹر تھے۔ جو کہتے تھے۔ کہ احمدیہ جماعت کے متعلق میں ایک کتاب لکھنے کے لئے مواد فراہم کرنے کی خاطر امریکہ سے آیا ہوں۔ جب وہ واپس امریکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مسٹر لوکس نے سیلون کے پادریوں کے سامنے ایک لیکچر دیا۔ اور کہا کہ عیسائیت کے غلبہ کی کوششوں میں جب تک صحیح راستہ اختیار نہ کیا جائے گا۔ کامیابی نہ ہوگی۔ اگر تم نے عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا ہے۔ تو

قادیان کی چھوٹی سی بستی

کی طرف تمہیں متوجہ ہونا چاہیئے۔ جہاں عیسائیت کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور وہاں ایسے سامان مہیا ہو رہے ہیں۔ جن سے

عیسائیت پاش پاش

ہو جائے گی۔ وہ سامان کیا ہے۔ یہی کہ ہم

اسلام کی ہر بات میں حکمت

ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام عیسائیت کی طرح یہ نہیں کہتا۔ کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی آگے کر دو۔ قرآن کی تعلیم اس بارے میں یہ ہے۔ کہ مارنے کے موقعہ پر مارو۔ اور معاف کرنے کے موقعہ پر معاف کرو۔ ہر حالت میں غرض اصلاح ہو۔ جس طرح بھی کوئی نیک بن سکے۔ اسی طرح کرو۔ دنیا میں دونوں قسم کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ بعض مار سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ اور بعض عفو سے۔ اس لئے اسلام نے دونوں باتیں جائز رکھیں۔ یہ نہیں کہا۔ کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دو۔ مصر میں ایک پادری صاحب وعظ کیا کرتے تھے۔ اور روز یہی بات پیش کرتے۔ کہ دیکھو

عیسائیت کی تعلیم

کیسی اچھی ہے۔ جو دشمن کے متعلق بھی یہ کہتی ہے۔ کہ اس کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر وہ ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو۔ ایک دن آپ یہی وعظ کر رہے تھے۔ کہ ایک منچلے نے بڑھ کر ان کے مونہہ پر تھپڑ مار دیا۔ اس پر پادری صاحب بھی اسے مارنے لگے۔ اس نے کہا۔ آپ ہر روز یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ عمل کے وقت اس کے خلاف کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ آج تو مجھے

اسلام کی تعلیم

پر ہی عمل کرنا پڑے گا۔ نہیں تو تم روز مجھے مار لیا کرو گے۔ جنگ عظیم کے موقعہ پر ایک فری تھنکر رسالہ نے ایک مضمون شائع کیا تھا۔ کہ کیا وجہ ہے جرمنی اور فرانس آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر جرمنی نے ایک صوبہ پر قبضہ کیا تھا۔ تو فرانس کی حکومت کو چاہیئے تھا۔ کہ کہتی آیئے۔

پیرس پر بھی قبضہ

کر لیجئے۔ غرضیکہ حضرت مرزا صاحب کی تمام کتابیں اسلامی احکام کی حکمتوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور آپ نے اپنی جماعت کو تعلیم دی ہے کہ اسلام کو تبر کے رنگ میں پیش نہ کرو۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اسے صحیح رنگ میں پیش کیا جائے۔ تو ہر فطرت اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ تو دمجھ سے کئی غیر مسلموں نے

سورۃ فاتحہ کی تفسیر

سن کر کہا۔ کہ وہ اسے یاد کریں گے۔ اسی طرح کئی عیسائی ہندو مخفی طور پر نمازیں پڑھتے ہیں۔ اگرچہ انہیں اظہار کی جرأت نہیں۔ تو یہ وہ اصول ہیں۔ جو احمدیت کے ہیں۔ یعنی

زندہ خدا کو پیش کرنا

اعمال میں پاکیزگی پیدا کرنا اور قرآن کو دیگر ادیان پر غالب کرنا اور لوگوں کو سکھانا۔ مسلمانوں نے قرآن کی طرف توجہ بالکل چھوڑ دی تھی۔ لاہور میں مجھ سے تین مولوی صاحبان ملنے آئے۔ جن میں سے دو دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے۔ بیٹھتے ہی ایک نے سوال کیا۔ کہ آپ لاہور کیوں آئے ہیں۔ میں نے کہا یہاں ایگریکلچرل نمائش تھی۔ اسے دیکھنے کا خیال تھا۔ بچے بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے آگیا۔ ایک نے پوچھا

آپ کی تعلیم

کتنی ہے۔ میں نے کہا میں کسی مدرسہ کا باقاعدہ تعلیم یافتہ تو نہیں ہوں کہنے لگے۔ آخر کچھ تو پڑھا ہو گا۔ میں نے کہا قرآن پڑھا ہے۔ پھر پوچھا۔ انتہائی تعلیم کیا ہے۔ میں نے کہا۔

یہی ابتدائی اور یہی انتہائی

ہے۔ پھر سوال کیا۔ کہ انگریزی پڑھی ہو گی۔ میں نے کہا میں مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔ مگر شروع سے انٹرنس تک ہمیشہ فیل ہی ہوتا رہا۔ کہنے لگے۔ کہ انگریزی بھی نہیں پڑھی اور عربی بھی نہیں۔ ایک فرمانے لگے۔ پرائیویٹ طور پر تحصیل کی ہو گی۔ میں نے کہا صرف قرآن کی۔ وہ اس امر پر حیران تھے۔ کہ میں نے سوائے قرآن کے اور کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اور میں اس پر حیران ہو رہا تھا کہ یہ بیچارے

قرآن پڑھنے کو معمولی تعلیم

سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سارے علوم اس کے اندر ہیں۔ میں نے کسی کالج میں تعلیم نہیں پائی۔ اور سکول کی تعلیم کی حالت کا ابھی میں نے ذکر کر دیا ہے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ

مجھے قرآن آتا ہے

اور کوئی فلاسفر۔ کوئی سائیکالوجسٹ۔ کوئی سائنس دان غرضیکہ کسی علم کا ماہر آئے۔ اور اپنے علم کے رو سے اسلام پر اعتراض کرے۔ اگر اسی کے علم سے میں اس کا رد نہ کر دوں تو جھوٹا۔ میں ہندوستان میں بھی سب جگہ گیا ہوں۔ اور یورپ بھی گیا ہوں۔ اور ہر قسم کے علوم جاننے والوں سے گفتگوئیں ہوئی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے فلسفہ دان۔ سائنس دان۔ سپرچولزم کے ماہر تھے۔ مگر سب کو قرآن کے ذریعہ خاموش کر دیا۔ کیونکہ قرآن

سب علوم کا جامع

ہے۔ یہ ایک مخفی خزانہ ہے۔ کسی مذہب و ملت یا کسی مذہب کے جاننے والے کو میرے سامنے لے آؤ۔ یا مجھے جہاں کہو۔ میں جاؤنگا اور جو شخص بھی سامنے آئیگا۔ قرآن کی فضیلت اس پر اور اس کے علوم پر ثابت کر دونگا۔ اور خدا کے فضل سے اسے خاموش ہونا پڑیگا۔ حالانکہ میں مروجہ علوم پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ وہ بھی کیا علوم ہیں۔ جن کے پڑھنے کے بعد اور کتابیں پڑھنے کی ضرورت باقی رہے۔ مگر قرآن وہ کتاب ہے جسے پڑھنے کے بعد اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے حضرت خلیفہ اول مولوی نور الدین صاحب پر۔ آپ نے مجھے

قرآن کریم اور بخاری

پڑھا دی تو فرمایا۔ میں نے سارے علوم تمہیں پڑھا دیئے ہیں۔ گو اپنے طور پر میں نے بعد میں مطالعہ جاری رکھا۔ مگر بخاری بھی قرآن کی تابع ہے اور محض

علم کی تازگی کے لئے

اسے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ قرآن کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ قرآن کے اندر ہی سب چیزیں موجود ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ اور قرآن سے ان کا تعلق باقی نہ رہا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کے ایک دوست تھے جنہیں مولوی محمد حسین صاحب سے بھی عقیدت تھی۔ جب آپ نے دعویٰ کیا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو انہوں نے ان کو لکھا۔ کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مرزا صاحب کو

قرآن پر ایمان

ہے۔ میں انہیں مل کر سمجھا لونگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ مان جائیں گے چنانچہ وہ آپ سے ملنے آئے اور کہا آپ کا کیا یہ دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔ ہاں قرآن میں ایسا ہی لکھا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر میں

قرآن شریف کی دس آیات

ایسی پیش کر دوں۔ جن سے حضرت عیسیٰؑ کا زندہ ہونا ثابت ہو۔ تو کیا آپ مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ دس آیات کیا۔ اگر ایک آیت کا ٹکڑا بھی پیش کر دیں۔ تو میں مان لونگا۔ کہنے لگے بس مجھے آپ سے یہی امید تھی۔ اور یقین تھا۔ کہ آپ قرآن کے خلاف نہیں جائیں گے۔ مولوی محمد حسین صاحب ان دنوں لاہور میں تھے۔ وہ ان کے پاس پہونچے اور کہا کہ بس اب فیصلہ ہو گیا ہے مرزا صاحب فوراً مان جائینگے آپ صرف اتنا کریں۔ کہ دس آیات ایسی لکھدیں۔ جن سے حیات مسیح ثابت ہو۔ یہ سن کر مولوی صاحب جھنجھلا کر بولے کہ بیوقوفوں کو کس نے کہا ہے۔ کہ علمی مسائل کے اندر دخل دیں۔ تین ماہ کی بحث کے بعد میں مرزا صاحب کو کھینچ کر حدیث کی طرف لایا تھا۔ یہ پھر قرآن کی طرف لے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا پھر جدہر قرآن ہے ادہر ہی میں ہوں۔ تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ اور اس کی طرف ان کی کوئی توجہ نہ تھی۔ حالانکہ قرآن ہی تمام علوم کا جامع ہے اور اسی سے سب مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ کسی قسم کا اعتراض ہو۔ کوئی وسوسہ پیش کرو۔

قرآن میں اس کا جواب

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه۔ یعنی ہم نے چونکہ انسان کو پیدا کیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ جو وسوسہ بھی اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ وقت نہیں کہ میں اس مسئلہ پر وضاحت سے روشنی ڈال سکوں۔ مگر یہ میرا دعویٰ ہے کہ

کسی علم والا

میرے سامنے آئے اور کہے یہ مذہبی مسئلہ قرآن سے نکال دو۔ میں انشاء اللہ وہ بھی اور اس کا جواب بھی نکال دونگا۔ پس

احمدیت کے یہی اصول ہیں

اور حضرت مرزا صاحب نے یہی دنیا کے سامنے پیش کئے۔ اور آپ کی جماعت بھی یہی پیش کرتی ہے۔ اس نور ہدایت پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ قرآن زندہ ہو کر آپ کے مریدوں کے ہاتھوں میں بولتا ہے یا نہیں۔ دوسروں کو اس کے حل کرنے کے لئے اور کتابوں کی ضرورت ہے مگر ہمارے ہاتھوں میں یہ خود بولتا ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے۔ کہ جو اس کے لئے سچی جستجو کرے، حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا۔ پس بجائے اس کے کہ احمدیوں کو گالیاں دی جائیں۔ کیوں نہ خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ کہ جو رستہ سچ ہے وہ ہمیں بتا دے۔ اگر

احمدیت حق ہے

تو اسے قبول کرنے کی توفیق دے۔ ورنہ اس سے بچا لے۔ نہ ہماری مانو اور نہ کسی مولوی کی۔ بلکہ خدا سے کہو کہ تو نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے پیدا کیا۔ قرآن کو نازل کیا۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حق کس طرف ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو تیرے سامنے ڈالتے ہیں۔ اور

عبودیت اور تذلل کے ساتھ

عرض کرتے ہیں۔ کہ جو حق ہے۔ ہم پر کھول دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں یہ بات ڈال دے۔ کہ احمدیت سچ ہے تو اسے مان لو۔ (ختم)

فہرست نومبائعین ۱۹۳۳ء

نمبر	نام و پتہ
۱۸۸۱	محمد صادق صاحب ہنگو
۱۸۸۲	حسن الدین صاحب ضلع ٹپرہ بنگال
۱۸۸۳	بابر علی صاحب ؍ ؍ ؍
۱۸۸۴	زیب النساء صاحبہ ؍ ؍ ؍
۱۸۸۵	سید کشور صاحب ضلع پشاور
۱۸۸۶	خان عبداللہ خانصاحب ؍ شیخوپورہ
۱۸۸۷	علی محمد صاحب سکھر ؍
۱۸۸۸	محمد عبدالصمد صاحب ریاست حیدرآباد دکن
۱۸۸۹	بشیر محمد خان صاحب فیروزپور شہر
۱۸۹۰	احمد دین صاحب ضلع لاہور
۱۸۹۱	والدہ غلام محمد صاحب ؍ لائل پور
۱۸۹۲	قادری بیگم صاحبہ اٹاوہ
۱۸۹۳	سعیدہ بیگم صاحبہ ؍
۱۸۹۴	بسم اللہ عرف صغیر فاطمہ صاحبہ ؍
۱۸۹۵	پٹھانی صاحبہ ضلع ملتان
۱۸۹۶	الٰہی بخش صاحب ؍ جالندھر
۱۸۹۷	حامد صاحب ؍ شاہ پور
۱۸۹۸	مولوی محمد حسین صاحب معہ اہل و عیال ضلع نرسنگھ پور
۱۸۹۹	مہر الدین صاحب قادیان
۱۹۰۰	عنایت اللہ خانصاحب ضلع سیالکوٹ
۱۹۰۱	ولایت بی بی صاحبہ ؍ سرگودھا
۱۹۰۲	عبدالحمید صاحب ریاست حیدرآباد دکن
۱۹۰۳	سائیں فضل الٰہی صاحب جہلم
۱۹۰۴	خدیجہ بی بی صاحبہ ضلع پوری اڑیسہ
۱۹۰۵	مسعودن بی بی صاحبہ ؍ ؍ ؍
۱۹۰۶	قریشی فضل حق صاحب دہلی
۱۹۰۷	چوہدری محمد دیوان صاحب ضلع سیالکوٹ
۱۹۰۸	جلال الدین صاحب قادیان
۱۹۰۹	فاطمہ صاحبہ ضلع تھرپارکر سندھ
۱۹۱۰	محمد یوسف صاحب حیدرآباد سندھ
۱۹۱۱	چوہدری نور احمد صاحب ضلع گورداسپور
۱۹۱۲	فضل الدین صاحب امرتسر
۱۹۱۳	حافظ پیر محمد صاحب ضلع لدھیانہ
۱۹۱۴	غلام نبی صاحب
۱۹۱۵	مستری بدرالدین صاحب قادیان
۱۹۱۶	فضل حق صاحب ضلع جالندھر
۱۹۱۷	شریفن صاحبہ ؍ لدھیانہ
۱۹۱۸	رحمت صاحب ؍ گجرات
۱۹۱۹	خان زادیخان صاحب پرویز
۱۹۲۰	عید خان صاحب ؍
۱۹۲۱	باجے خان صاحب ضلع تھرپارکر سندھ
۱۹۲۲	انیس فاطمہ صاحبہ پٹنہ
۱۹۲۳	اللہ جوایا صاحب جھنگ شہر
۱۹۲۴	چوہدری فضل الدین صاحب ضلع حصار
۱۹۲۵	عالم دین صاحب ؍ ؍
۱۹۲۶	عالم بی بی صاحبہ ؍ ؍
۱۹۲۷	نور بیگم صاحبہ ؍ ؍
۱۹۲۸	رشیدہ بیگم صاحبہ ؍ ؍
۱۹۲۹	حمیدہ بیگم صاحبہ ؍ ؍
۱۹۳۰	غلام رسول صاحب ؍ ؍
۲۹۳۱	سیدہ بی بی صاحبہ ؍ ننگ پور
۲۹۳۲	بہار بی بی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۳۳	حفیظ اللہ خان صاحب غازی پور
۲۹۳۴	عمرو صاحبہ ضلع لائل پور
۲۹۳۵	غلام نبی صاحب ؍ ؍
۲۹۳۶	رحمت اللہ صاحب ؍ ؍
۲۹۳۷	رمضان صاحب ؍ ؍
۲۹۳۸	عبدالکریم صاحب ؍ ؍
۲۹۳۹	الٰہی بخش صاحب ؍ ؍
۲۹۴۰	یوسف علی صاحب ؍ ؍
۱۹۴۱	نذیر احمد صاحب ؍ ؍
۲۹۴۲	بی بی عظمت صاحبہ ؍ ؍
۲۹۴۳	نوراں صاحبہ ؍ ؍
۲۹۴۴	جیونی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۴۵	شکر الدین صاحب ؍ سیالکوٹ
۱۹۴۶	سکینہ بی بی صاحبہ
۲۹۴۷	محمد بخش صاحب ضلع لائل پور
۲۹۴۸	اہلیہ محمد بخش صاحب ؍ ؍
۲۹۴۹	اے۔ ایم۔ ایچ۔ حوا اما کولمبو
۲۹۵۰	مسٹر کے حسین صاحب بنگلور
۲۹۵۱	عاتقہ صاحبہ کالی کٹ
۲۹۵۲	نذیر احمد صاحب ضلع ملتان
۲۹۵۳	غلام قادر صاحب ؍ ؍
۲۹۵۴	غلام محمد صاحب ؍ ؍
۲۹۵۵	تاج الدین صاحب ؍ سیالکوٹ
۲۹۵۶	شریف النساء صاحبہ ؍ پوری
۲۹۵۷	ہنوری صاحبہ بنوں
۲۹۵۸	چوہدری ثناء اللہ خانصاحب تلونڈی
۲۹۵۹	غلام فاطمہ صاحبہ ؍
۲۹۶۰	کرم الدین صاحب ضلع شیخوپورہ
۲۹۶۱	سید نادر شاہ صاحب
۲۹۶۲	حسن محمد صاحب سیالکوٹ
۲۹۶۳	ناصر خان صاحب ؍
۲۹۶۴	اللہ دتا صاحب ؍
۲۹۶۵	اہلیہ محمد حسین خان صاحب ضلع ملتان
۲۹۶۶	مقبول بیگم صاحبہ ریاست پٹیالہ
۲۹۶۷	خیر الدین صاحب ضلع گورداسپور
۲۹۶۸	محمد حسین صاحب ؍ ؍
۲۹۶۹	حسین بی بی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۷۰	سندھاں بی بی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۷۱	مولوی عبدالمنان صاحب
۲۹۷۲	نواب خان صاحب ضلع ہوشیارپور
۲۹۷۳	اہلیہ نواب خان صاحب ؍ ؍
۲۹۷۴	ستار بی بی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۷۵	انور بی بی صاحبہ ؍ ؍
۲۹۷۶	رمضان خان صاحب ؍ ؍
۲۹۷۷	غازی ممتاز الدین صاحب ضلع بریسال بنگال
۲۹۷۸	محمد الدین صاحب شہر سیالکوٹ
۲۹۷۹	محمد اقبال حیدرآباد دکن
۲۹۸۰	نقیہ بی بی صاحبہ ضلع ڈیرہ غازیخان
۲۹۸۱	صفدر علی خان صاحب امرتسر
۲۹۸۲	مستری محمد نواز خانصاحب ڈیرہ غازیخان
۲۹۸۳	احمد دین صاحب ضلع لائل پور
۲۹۸۴	ہاشم علی صاحب
۲۹۸۵	فیروزہ صاحبہ
۲۹۸۶	پیرا صاحب
۲۹۸۷	حلیمہ بی بی صاحبہ
۲۹۸۸	کرم بی بی صاحبہ
۲۹۸۹	لکھی صاحبہ
۱۹۹۰	بیگم صاحبہ
۱۹۹۱	عائشہ بی بی صاحبہ
۱۹۹۲	لچھمی بی بی صاحبہ
۱۹۹۳	ہاجرہ بی بی صاحبہ
۱۹۹۴	جماعت بی بی صاحبہ
۱۹۹۵	گوہر بی بی صاحبہ
۱۹۹۶	بیگی صاحبہ
۱۹۹۷	دائی صاحبہ
۱۹۹۸	بانول بی بی صاحبہ
۱۹۹۹	شکور بی بی صاحبہ
۲۰۰۰	ریشم بی بی صاحبہ
۲۰۰۱	حسن بی بی صاحبہ
۲۰۰۲	ہاشم بی بی صاحبہ
۲۰۰۳	نظم شاہ صاحب
۲۰۰۴	عائشہ بی بی صاحبہ
۲۰۰۵	لال الدین صاحب
۲۰۰۶	عبدالقادر صاحب
۲۰۰۷	نور بیگم صاحبہ
۲۰۰۸	حسن بی بی صاحبہ
۲۰۰۹	شہادت بیگم صاحبہ
۲۰۱۰	حسن بی بی صاحبہ
۲۰۱۱	زینب بی بی صاحبہ
۲۰۱۲	سائرہ صاحبہ
۲۰۱۳	اہلیہ احمد الدین صاحب
۲۰۱۴	گلزار بیگم صاحبہ
۲۰۱۵	صاحب الدین صاحب
۲۰۱۶	اہلیہ صاحب دین صاحب
۲۰۱۷	پسر صاحب الدین صاحب
۲۰۱۸	مردان علی شاہ صاحب
۲۰۱۹	عطر نساء صاحب
۲۰۲۰	یعقوب علی صاحب ضلع آگرہ یوپی
۲۰۲۱	مختاراں بی بی صاحبہ قادیان
۲۰۲۲	سرداراں صاحبہ ؍
۲۰۲۳	اسماعیل صاحب ؍

ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں

کمیونسٹ کانگرس کے سامنے ماسکو میں ۱۱ فروری کو روس کے ایک صوبجاتی جرنیل نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ جاپان منچوریا میں اپنی ملٹری طاقت مضبوط کرتا جا رہا ہے۔ اور سوویٹ یونین پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں ہے۔ شمالی منچوریا کو اس نے اپنی فوج کے لئے بمنزلہ پریڈ گراؤنڈ بنا رکھا ہے۔ اس نے نہایت اہم ملٹری سڑکوں۔ ریلوے۔ ڈپوؤں اور ہوائی بندرگاہوں کی تیاری شروع کر رکھی ہے۔ اس کی ایک تہائی فوج منچوریا میں جمع ہے۔ اس لئے جوابی طور پر سوویٹ گورنمنٹ نے بھی بہترین سپاہ اور اسلحہ جات سرحد پر جمع کر کے اسے اس قدر مضبوط کر لیا ہے کہ زبردست سے زبردست حملہ بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

نئی دہلی سے ۱۱ فروری کی ایک افواہ مظہر ہے کہ سر پیرو سر آغاخان کے ساتھ مل کر ہندو مسلم پیکٹ تیار کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہندو ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے تحفظات کے متعلق ان کے تمام مطالبات منظور کر لیں گے۔ بشرطیکہ مسلمان ان صوبوں میں جہاں ان کی اکثریت ہے نشستوں کی تخصیص کے بغیر مشترکہ انتخاب منظور کر لیں۔

مہاراجہ پٹیالہ کے خلاف مظاہرات کرتے ہوئے دہلی میں جو سکھ گرفتار کر لئے گئے تھے۔ وہ گوردوارہ سیس گنج سے کھانا کھاتے تھے۔ مگر اب گوردوارہ کی مجلس انتظامیہ نے انہیں کھانا دینا بند کر دیا ہے۔ اور انہوں نے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے۔

گاندھی جی نے ۱۱ فروری کو ترچی کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں اپنی زندگی کے آخری ایام میں کوئی فرقہ وار کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بظاہر میرا کام اس وقت ایک خاص طبقہ سے متعلق نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی تہ میں یہ زبردست جذبہ کام کر رہا ہے۔ کہ تمام پبلک اس سے مستفید ہو سکے۔

قانون تحفظ والیان ریاست کی پریس سے متعلقہ دفعہ میں ترمیم کرانے کے لئے سلیکٹ کمیٹی کے چار ممبران نے کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ ایک اختلافی نوٹ شامل کیا ہے کہ اخبارات کے لئے فوری کارروائی کرنے کے بجائے ان کے ساتھ باقاعدہ قانونی سلوک ہونا چاہئیے۔

بہار گورنمنٹ کونسل کے آئندہ اجلاس میں ایک بل پیش کرے گی۔ جس کے ذریعہ لوگوں کو عمارات کی تعمیر کے لئے قرضہ دئے جانے میں سہولت بہم پہنچائی جا سکے۔

برلن سے آمدہ ایک تازہ اطلاع مظہر ہے کہ ہٹلر قیصر کے پوتے پرنس فرڈیننڈ سے بہت محبت رکھتا ہے۔ اور پرنس مذکور نازی پارٹی کا ایک لیڈر ہے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ حالات موافق ہونے پر ہٹلر اسے جرمنی کا بادشاہ بنا دے گا۔ لیکن اس شرط پر کہ جب تک وہ بادشاہ رہے نازی اصول پر کاربند رہے۔

فیسی ازم کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے فیڈریشن آف لیبر کے فیصلہ کے ماتحت ۱۲ فروری کو تمام مزدوروں نے ۲۴ گھنٹہ کے لئے عام ہڑتال کی۔ اس لئے سوموار کو فرانس بھر میں کوئی اخبار شائع نہیں ہوا۔

بھاگلپور سے ۹ فروری کی خبر ہے۔ کہ ایک ہندو فوجی سپاہی صبح کے وقت لائن میں پوجا کرتے وقت سنکھ بجاتا اور بلند آواز سے وید منتر پڑھا کرتا تھا۔ اس سے منع کئے جانے پر اس نے بطور پروٹسٹ بھوک ہڑتال کر دی۔ اس لئے اس پر مقدمہ چلایا گیا سیشن جج نے بھوک ہڑتال کے جرم میں اس کی ۴ ماہ قید کی سزا بحال رکھی۔ اور گستاخی کی وجہ سے ۴ ماہ قید کی سزا جو عدالت ماتحت نے دی تھی۔ منسوخ کر دی۔ اور اپنے فیصلہ میں لکھا۔ کہ پوجا کے وقت سنکھ بجانا۔ اونچی آواز سے منتر پڑھنا یا بم بم بھولا کہنا سندھیا کا جزو نہیں۔

ڈچز آف اتھول بذریعہ ہوائی جہاز لندن سے ہندوستان آ رہی ہیں تاکہ بنگال میں تحریک دہشت انگیزی کا مطالعہ کر سکیں۔

انگلستان میں لوگ چونکہ اتوار کے روز بھی گرجا جانا ترک کر رہے ہیں۔ اور اس کے بجائے تفریحی مقامات پر جاتے ہیں۔ اس لئے لنڈن کے پادری اس امر پر غور کر رہے ہیں۔ کہ گرجا گھر میں سینما کھول دئے جائیں۔ اور فلموں کے ذریعہ عبادت کرائی جائے۔ تاکہ لوگ آیا کریں۔

جاپان اور انگلینڈ کے مابین روئی اور نقلی ریشم کی صنعت کے متعلق ایک تجارتی معاہدہ کرنے کی غرض سے ۱۴ فروری سے گفتگو شروع ہو گئی ہے۔

والیان ریاست کے تحفظ کے بل پر ۷ فروری کو اسمبلی میں بحث ہوئی۔ اور ۶۸ موافق اور ۳۰ مخالف آراء کے بعد اسے سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

انگورا کی اطلاعات کے مطابق سلسلہ ٹیلیفون ٹرکی میں بہت ترقی پذیر ہے۔ ۱۹۲۳ء میں صرف ایک شہر میں ٹیلیفون تھا۔ مگر اس وقت ۱۳۶ شہروں میں اس کا سلسلہ پھیل چکا ہے۔ بجلی کا استعمال بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ میونسپلٹیوں نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے۔ کہ ہر گھر میں بجلی استعمال ہوا کرے۔

حکومت ترکیہ نے نئے سال کے فوجی بجٹ میں دو کروڑ ڈالر کی گنجائش رکھی ہے۔ جسے وہ سال رواں میں فوجی تربیت پر خرچ کرے گی۔

برطانیہ کے بے روزگاروں میں لنڈن کی ایک اطلاع کے مطابق پھر اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ ۲۲ جنوری کو برطانیہ عظمیٰ میں رجسٹر شدہ بے روزگاروں کی کل تعداد ۲۴ لاکھ ۹۰ ہزار تھی۔ جس میں ۲۴ ہزار ۷۰۸ ۹ افراد کا اضافہ ہو گیا ہے۔

حجاج کا دوسرا جہاز خسرو ۱۵ فروری اور جہانگیر ۲۰ فروری کو کراچی سے روانہ ہو گا۔

یو۔ پی گورنمنٹ نے ۲۷ اضلاع میں قانون متعلقہ پرائمری تعلیم کے جبری نفاذ کا حکم دیدیا ہے۔

پٹنہ سے ۷ فروری کی خبر ہے کہ زلزلہ سے مہاراجہ دربھنگہ کے شاہی محلات میں جس قدر نقصان ہوا۔ اس کا اندازہ ۵ کروڑ روپیہ کے قریب کیا جاتا ہے۔

اسمبلی کے تیس ارکان نے نئی دہلی کی ایک اطلاع کے مطابق ایک قرارداد کا نوٹس دیا ہے۔ جس میں حکومت سے درخواست کی گئی ہے۔ کہ ہندوستان سے سونے کی برآمد پر معقول محصول عائد کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

نواب صاحب رامپور کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ موسم گرما کے آغاز میں یورپ روانہ ہو گئے۔ آپ کی غیر حاضری میں ریاست کا نظم و نسق موجودہ وزراء کی کونسل کے ہاتھ میں ہو گا۔ جو ہز ہائی نس کی ہدایات کے ماتحت کام کریں گے۔

ہز ہائی نس سر آغاخان کے دہلی آنے پر آل انڈیا مسلم لیگ کی دونوں جماعتوں میں اتحاد پیدا کرنے کے سوال پر خاص توجہ مبذول ہو گئی ہے۔ اور تجویز یہ ہے کہ مسلم لیگ کا مسلم کانفرنس کے ساتھ الحاق کر دیا جائے۔ اگرچہ لیگ کے ارکان کی اکثریت اس تجویز کے خلاف ہے۔ تاہم اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

حکومت ہند نے نئی دہلی کی ایک اطلاع کے مطابق ہندوستان کے تمام ڈاکخانوں کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ ڈاکٹر کے زلزلہ فنڈ کی تمام رقوم پر منی آرڈر کی فیس وصول نہ کی جائے۔

چیف کمشنر دہلی نے زمینداروں کی مخدوش حالت کے پیش نظر فصل خریف کے مقررہ لگان کی رقم میں سے ایک لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ معاف کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ پچھلی فصل کے لگان میں سے ۷۳ ہزار روپیہ واجب الادا تھا۔ اسے بھی معاف کر دیا گیا ہے۔

میڈرڈ کی اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ سپین میں بھی انقلاب شروع ہو گیا ہے۔ اور فسادات کو روکنے کے لئے کئی درجن گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔

مسٹر بالڈون نے ہاؤس آف کامنز میں ۷ فروری کو تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ برٹش گورنمنٹ یورپ کے فوجی مسئلہ کو حل کرنے کی آخری کوشش کر رہی ہے۔ اور عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہمیں اس کوشش میں کامیابی کی امید رکھنی چاہئیے یا نہیں۔ اگر ہم ناکام ہوئے تو

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر۔ غلام نبی